عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد:۳۶ | ۱۱تا۱۷ر صفر المظفر ۱۴۳۹ھ مطابق یکم تا ۷ر نومبر ۲۰۱۷ء | شمارہ:۴۱

وزیر قانون پنجاب سے چند گزارشات

مسئلہ ختم نبوت اور قومی وحدت کا منظر

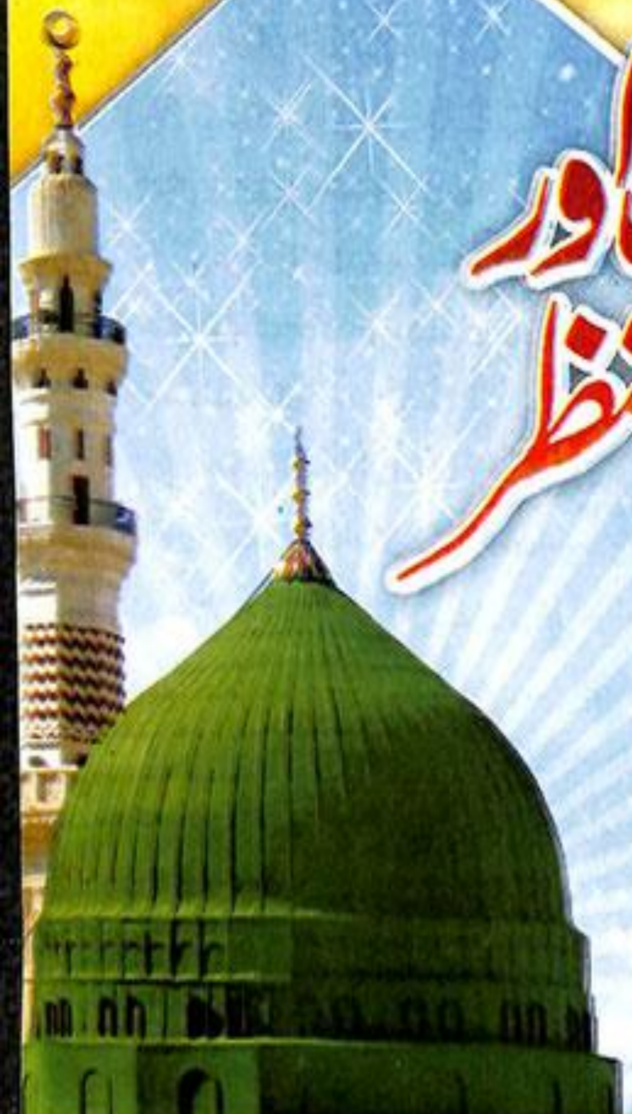

اورنگ زیب عالمگیر

تاریخ کا مظلوم حکمران

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com
Email: editorkn@yahoo.com

تین طلاق کا مسئلہ

س:...... ہماری شادی کو ۲۲ سال گزر چکے ہیں، میرے دو بچے ہیں۔ ایک بڑی بیٹی جس کی عمر ۲۱ سال ہے اور ایک چھوٹا بیٹا جو ۱۷ سال کا ہے اور جسمانی طور پر معذور ہے، بیٹے کے تمام کام ۱۷ سال سے کر رہی ہوں اور گھر کے معاملات اور ذمہ داریاں میں سنبھالتی آ رہی ہوں، میرے شوہر، میرے کزن ہیں، غصے کے شروع سے تیز ہیں، بات بات پر غصہ کرتے تھے لیکن اب ایک دو سال سے ذہنی طور پر طبیعت خراب ہے۔ چند سال سے طلاق کی دھمکی بھی دینے لگے تھے جبکہ میں ان کی تمام چیزوں اور ضروریات کا پورا خیال رکھتی تھی، کچھ دن پہلے میں بچے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور یہ سامنے لیٹے ہوئے تھے، بچے نے گیم کی سیٹنگ ٹھیک کرنے کا دو تین بار کہا، انہوں نے جواب نہیں دیا، پھر میں نے کہا کہ بچہ پریشان ہو رہا ہے، آپ دیکھ لیں دو بار کہا، تو غصہ میں تین بار طلاق کے الفاظ استعمال کر دیئے۔ بچے نے اور میں نے یہ الفاظ سنے پھر پریشان ہو کر میں نے ان کے بڑے بھائی جو کہ اسلام آباد میں رہتے ہیں ان کو کال ملائی تو انہوں نے کہا میری بات کراؤ، میں نے اپنے شوہر کو فون دیا، بھائی کے پوچھنے پر بھی انہوں نے اقرار کیا کہ میں نے تین بار کہا ہے اور اپنا سارا سامان لے کر اسلام آباد چلے گئے، اب وہ واپس کراچی آنے کا مجھے کہہ رہے ہیں، جبکہ گھر الحمدللہ! میرے نام ہے۔ مفتی صاحب! آپ ان معاملات میں میری راہنمائی فرمائیں۔

ج:...... صورت مسؤلہ میں اگر سائلہ کا بیان درست اور صداقت پر مبنی ہے تو اس صورت میں سائلہ پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اور یہ اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو چکی ہے۔ عدت یعنی تین ماہواری گزرنے کے بعد عورت آزاد ہے، جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”وان کان الطلاق ثلاثافی الحرة وثنتین فی الامة، لم تحلّ له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها۔“

(الفتاویٰ العالمگیریہ،ص:۳/۴۷۳، کتاب الطلاق، الباب السادس)

تقدیر کا مفہوم

س:...... تقدیر سے کیا مراد ہے، کہتے ہیں کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے اور تقدیر (قسمت) نہیں بدلتی۔ کیا انسان کا اپنی زندگی پر کوئی اختیار نہیں ہے، وہ اپنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے، جس سمت جاتا ہے، کیا یہ اس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے وضاحت فرمائیں؟

ج:...... انسان کی زندگی میں جو کچھ پیش آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے، اس کو تقدیر کہتے ہیں، اس میں کیا لکھا ہے ہمیں معلوم نہیں، اس لئے ہمیں اپنی ہمت وقوت کے مطابق عمل کرنا چاہیے اگر کوئی آدمی اعمال خیر کرتا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ اس کی تقدیر میں خیر ہے اور اگر کسی کو بُرائی کی طرف رغبت ہے تو اس کے بُرے انجام کی علامت ہے، ہر انسان کو اچھائی برائی کے اختیار میں اختیار ہے، چنانچہ ہر آدمی کی تقدیر میں دو طرح کی چیزیں لکھی ہوئی ہیں، مثلاً اس کا انجام یوں ہوگا، اس کو تقدیر مبرم کہتے ہیں اور کسی کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے کہ اگر یوں کرے گا تو یوں ہوگا، اس کو تقدیر معلق کہتے ہیں، اس لئے ہمیں محنت اور اسباب اختیار کرنے کا حکم ہے کیونکہ نامعلوم ہماری تقدیر میں کیا لکھا ہوا ہے، تقدیر مبرم یا اٹل نہیں بدل سکتی البتہ تقدیر معلق یا مشروط اعمال سے بدل سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہفت روزہ ختم نبوت

مجلس ادارت

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری، صاحبزادہ مولانا عزیز احمد،
علامہ احمد میاں حمادی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی،
مولانا قاضی احسان احمد

جلد:۳۶ — ۱۱تا۱۷رصفر المظفر ۱۴۳۹ھ مطابق یکم تا ۷رنومبر ۲۰۱۷ء — شمارہ:۴۱

اس شمارے میں!

وزیر قانون پنجاب سے چند گزارشات	۵	حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ
مسئلہ ختم نبوت اور قومی وحدت کا منظر	۹	شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی
استخارہ سنت کے مطابق کیجئے (۲)	۱۱	مولانا محمد عمر انور
اورنگزیب عالمگیرؒ.... تاریخ کا مظلوم حکمراں	۱۴	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
تبلیغی جماعت.....	۱۹	مولانا سیّد زین العابدین
ہم پہلے اپنا جائزہ لیں	۲۱	مولانا سیّد محمد رابع حسن ندوی
مبلغین ختم نبوت ضلع جھنگ کے دورے پر	۲۳	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام (۶)	۲۶	حافظ عبید اللہ

سرپرست

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ
حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی مدظلہ

مدیر اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر

عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین وآرائش:

محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

بیاد

امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس الحسینیؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زرتعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۵ڈالر
فی شمارہ ۱۰روپے، ششماہی: ۲۲۵روپے، سالانہ: ۴۵۰روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019
AALMI MAJLIS TAHAFFUZ KHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018
Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سیّد شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

مساجد، اذان، نماز، نوافل اور رات کا قیام

حدیث قدسی ۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں رات اور دن کے فرشتے آگے اور پیچھے آتے رہتے ہیں اور صبح اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے پھر جو فرشتے رات کو تم میں رہتے ہیں وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں جب ہم ان کے پاس گئے تو نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کو چھوڑ کر آئے تب بھی ان کو نماز پڑھتا ہوا چھوڑ کر آئے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کے اعمال پر جو فرشتے مقرر ہیں وہ صبح اور شام آتے ہیں صبح کو جو آتے ہیں وہ شام کو چلے جاتے ہیں اور شام کو جو آتے ہیں وہ صبح کو چلے جاتے ہیں۔ صبح اور عصر کی نماز کے وقت آنے والے اور جانے والے جمع ہو جاتے ہیں اور یہ دونوں وقت ایسے ہیں جب مسلمان نماز میں مشغول ہوتے ہیں، پس عصر کے وقت جو فرشتے آتے ہیں وہ اس وقت بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں اور جب صبح کو واپس جاتے ہیں، تب بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں، اس لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نماز کی شہادت دیتے ہیں۔

حدیث قدسی ۳: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس سے گزرے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ اصحاب نے جواب میں کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال تین مرتبہ کیا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم جو شخص نماز کو اپنے وقت مقررہ پر ادا کرتا ہے، میں اس کو جنت میں داخل کر دوں گا اور جو شخص نماز کو وقت گزار کر غیر وقت میں پڑھے گا اس کو میں چاہوں تو عذاب کروں اور چاہوں تو اس پر رحم کروں۔ (طبرانی، فی الکبیر)

مطلب یہ ہے کہ غیر وقت میں نماز پڑھنے والوں سے کوئی وعدہ بخشش کا نہیں چاہے بخشیں یا نہ بخشیں۔

نماز

س:...... سنت موکدہ کسے کہتے ہیں؟

ج:...... ایسے تمام کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض و واجب نہ ہونے کے باوجود پابندیٔ وقت کے ساتھ کیے ہوں اور ان کے کرتے رہنے کی امت کو تاکید کی ہو سنت موکدہ کہا جاتا ہے۔ پنج وقتہ نمازوں میں بھی کچھ رکعتیں سنت موکدہ ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا:... روزانہ فجر کے دو فرض سے پہلے دو رکعات سنت (ان دو رکعتوں کے پڑھنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ اس تاکیدی حکم کی روشنی میں علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ نماز فجر کے دو فرضوں سے پہلے ان دو سنتوں کو پڑھنے کا ایسا اہتمام رکھا جائے کہ یہ دو سنتیں سفر میں بھی نہ چھوٹیں نیز اگر فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی جا سکی ہوں اور فجر کے فرضوں کی جماعت شروع ہو چکی ہو اور یہ اطمینان ہو کہ دو سنتوں کے پڑھنے کے بعد امام صاحب کے سلام پھیرنے سے پہلے جماعت میں شامل ہوا جا سکے گا تو پہلے (ایسی مناسب جگہ پر جہاں جماعت میں شامل ہونے والوں کو پریشانی کا سامنا کرنا نہ پڑے) دو سنتیں پڑھی جائیں پھر جماعت کی نماز میں شامل ہوا جائے۔ اگر وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو تو دو سنتیں پڑھے بغیر جماعت کی نماز میں شامل ہوا جائے اگر کسی دن نماز فجر کے لئے ایسے وقت میں نماز کے لئے تیار ہوا جا سکے کہ وقت صرف دو رکعتیں پڑھنے جتنا ہی باقی رہ گیا ہو تو ایسی صورت میں صرف دو رکعت فرض ہی پڑھے جائیں یعنی ان دو سنتوں کو اس وقت نہ پڑھا جائے اس دن کی باقی رہ جانے والی ان سنتوں کو بہتر یہ ہے کہ ان کے پڑھے جانے کے تاکیدی حکم کی وجہ سے اسی دن کے سورج نکلنے کے وقت سے (احتیاطی پہلو کا خیال رکھتے ہوئے) تقریباً بیس منٹ کے بعد سے لے کر اس دن کے زوال کے وقت سے پہلے پہلے قضا کی نیت سے ادا کر لیا جائے۔ زوال کے وقت کے شروع ہوتے ہی قضا کا وقت بھی ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے بعد رہ جانے والی یہ دو سنتیں نہ پڑھی جائیں نیز اگر خدانخواستہ کسی دن فجر کی نماز قضا ہو جائے اور اسے اسی دن زوال کے وقت سے پہلے پہلے قضا پڑھا جا رہا ہو تو پہلے دو سنت قضا پڑھے پھر دو فرض قضا پڑھے۔ اگر اسی دن کے زوال کے وقت کے بعد قضا پڑھی جا رہی ہو تو صرف دو فرض قضا پڑھے جائیں گے۔

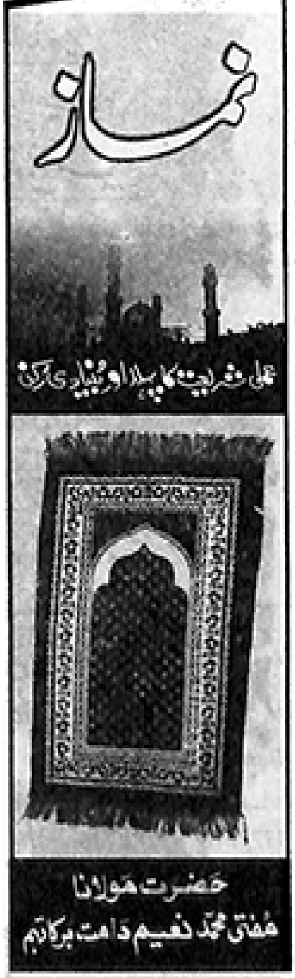

اداریہ

حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

وزیر قانون پنجاب سے چند گزارشات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

محترم جناب رانا ثناء اللہ صاحب کا ایک انٹرویو ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۷ء کو سما ٹی وی پر آیا ہے۔ جس میں جناب رانا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ:

الف...... ’’اس ملک میں اس (قادیانی) کمیونٹی کے لوگ رہتے ہیں۔ ان کے جان ومال کی حفاظت کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔‘‘

محترم رانا صاحب کی اس بات سے سوفیصد اتفاق ہے کہ اقلیتوں کے جان ومال کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ صرف ریاست نہیں بلکہ ریاست کے عوام کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اس امر میں بھی حکومت کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہوں اور اقلیتوں کے جان ومال کی نگہداشت کریں۔ لیکن رانا صاحب! کیا اجازت بخشیں گے کہ آپ سے ایک سوال کرلیا جائے کہ جس طرح ریاست وعوام کا فرض ہے کہ اقلیتوں کی جان ومال کی حفاظت کریں کیا اقلیتوں پر بھی کوئی فرض عائد ہوتا ہے یا ان کے صرف حقوق ہی ہیں، ان کے ذمہ فرائض نہیں ہیں؟ اگر ان کے ذمہ بھی فرائض ہیں تو کسی بھی ریاست کی وفادار اور امن پسند اقلیت کا فرض اولین ہے کہ وہ ریاست کے قوانین تسلیم کریں، ان کی پاسداری کریں، ان کے خلاف باغیانہ روش اختیار نہ کریں۔ قانون کی بالادستی کو دل وجان سے برقرار رکھیں۔ اگر ایک اقلیت، آئین سے بغاوت کی مرتکب ہے وہ حکومت کے منظور شدہ قوانین کو تسلیم نہیں کرتی۔ تو ایسی اقلیت کو آئین کا پابند بنانا ریاست کی ذمہ داری ہے؟ قانون کی بالادستی، ریاست کی رٹ کو بحال کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ضرور ہے تو پھر توجہ فرمائیں! کہ آئین کہتا ہے کہ قادیانی مسلمان نہیں۔ قادیانی آئین سے بغاوت کے مرتکب ہیں۔ ان کو آئین کا پابند بنانا حکومت کی ذمہ داری تھی، ہے، اور رہے گی۔

یہ وہ نکتہ ہے جس پر عمل کرنے سے تمام مسائل حل ہوجاتے ہیں۔ قادیانیوں کو قانون کا پابند بنایا جاتا۔ قادیانی قانون کی بالادستی کو تسلیم کرتے تو ۱۹۷۴ء کے آئینی فیصلے کے بعد سرے سے یہ مسائل پیدا ہی نہ ہوتے۔ حکومت قانون پر عمل نہ کرے۔ قادیانی قانون سے انکار وانحراف وبغاوت کا راستہ اختیار کریں تو اس کا تدارک ہونا چاہئے۔ اس کا یہ حل نہیں ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ قادیانیوں کو قانون کا پابند بنایا جائے ان کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑ پڑیں۔ اس طرز عمل سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ محترم رانا صاحب ہمارے پنجاب کے وزیر انصاف ہیں وہ بھی بات ادھوری کریں تو یہ بات زخموں پر نمک پاشی کے مترادف سمجھی جائے گی۔ کاش! رانا صاحب یہ فرماتے کہ قادیانی قانون کی پاسداری کریں۔ ریاست اور عوام قادیانیوں کی جان ومال کا ہمیشہ کی طرح تحفظ کریں۔ مگر ایسا نہ فرمانا پوری بات نہ کہنا قرین انصاف نہیں ہے۔

ب...... ’’قادیانی نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں مساجد بناتے ہیں وہ اذان بھی دیتے ہیں بس وہ ایک پوائنٹ پر اختلاف کرتے ہیں۔‘‘

محترم رانا صاحب سے بصد ادب گزارش ہے کہ پہلے اس پر غور فرمائیں کہ نماز، روزہ، مساجد بنانا، اذان دینا، یہ اسلامی اعمال ہیں۔ کفر واسلام کا فیصلہ اعمال پر نہیں ہوتا بلکہ عقائد پر ہوتا ہے۔

ختم نبوت عقیدہ ہے اس سے انحراف کرنے والا ہزار وبار اعمال بجالائے وہ غیر مسلم گردانا جائے گا۔ مسیلمہ کذاب اور اس کے پیرو نماز پڑھتے تھے، اذان دیتے تھے، روزہ رکھتے تھے، اذان میں ’’اشھد ان محمد رسول اللّٰہ‘‘ کہتے تھے، قبلہ کی طرف رخ کرتے تھے، مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتے تھے لیکن جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کرکے ختم نبوت کا انکار کیا تو اس کے تمام اعمال غارت ہوئے بلکہ اس کے غلط عقیدہ اختیار کرنے سے اسے اور اس کے پیروکاروں کو امت سے علیحدہ سمجھا گیا۔ یہی حال قادیانیوں کا ہے۔ غرض کفر واسلام کا فیصلہ عقائد پر ہوتا ہے، اعمال پر نہیں۔

محترم رانا صاحب! اس موقع پر انتہائی ادب سے مجھے درخواست کرنا ہے کہ اگر اعمال پر ہی کفر واسلام کا فیصلہ کرنا ہے تو اعمال کے بارہ میں قادیانی موقف کیا ہے؟ اس کو سمجھے بغیر کچھ کہنا ’’مدعی سست، گواہ چست‘‘ والی بات ہوگی۔ آیئے! چند قادیانی حوالہ جات اور ان کے نتائج پر پہلے نظر ڈال لیتے ہیں:

۱……’’حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات رسول کریم ﷺ قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان (مسلمانوں) سے اختلاف ہے۔‘‘ (خطبہ جمعہ خلیفہ قادیان مندرجہ الفضل، ج۱۹، نمبر۱۳، مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

۲……’’اس کے بعد حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے صاف حکم دیا کہ غیر احمدیوں کے ساتھ ہمارے کوئی تعلقات ان کی غمی اور شادی کے معاملات میں نہ ہوں جب کہ ان کے غم میں ہم نے شامل ہی نہیں ہونا تو پھر جنازہ کیسا۔‘‘ (اخبار الفضل قادیان ج ۳ نمبر ۱۴۰ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۱۴ء)

۳……’’خداتعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔‘‘ (تذکرہ مجموعہ الہامات مرزا ۶۰۷ طبع ۴)

۴……’’جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا ور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ص ۲۷۵، ج ۳)

۵……’’کل جو مسلمان حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔‘‘ (آئینہ صداقت ص ۳۵ مصنفہ خلیفہ قادیان)

۶……’’یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ ہمارے اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی فروعی اختلاف ہے…… کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ بتاؤ کہ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہوا۔ قرآن مجید میں تو لکھا ہے لانفرق بین احد من رسلہ لیکن حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔‘‘ (نہج المصلی مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ۲۷۴، ۲۷۵ مولفہ محمد فضل خان قادیانی)

۷……’’ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا اور یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔‘‘ (کلمۃ الفصل مصنفہ بشیر احمد قادیانی ص ۱۱۰)

۸……’’ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔‘‘ (انوار خلافت ۹۰)

۹……’’(میاں محمود احمد خلیفہ قادیان نے) فرمایا جس طرح عیسائی بچے کا جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا اگرچہ وہ معصوم ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچے کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا۔‘‘ (خلیفہ قادیان مندرجہ الفضل ج ۱۰، نمبر ۳۲، ص ۶ مورخہ ۲۳ ر اکتوبر ۱۹۲۲ء)

۱۰……’’پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔‘‘ (مرزا بشیر احمد پسر مرزا قادیانی کلمۃ الفصل ص ۱۵۸)

ان قادیانی دس حوالہ جات سے یہ دس باتیں ثابت ہوئیں کہ:

۱……قادیانیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات، حضور سرور کائنات علیہ السلام کی ذات، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں مسلمانوں سے اختلاف ہے۔

۲……قادیانیوں کے نزدیک مسلمانوں کی شادی، غمی، جنازہ، میں شرکت جائز نہیں۔

۳……قادیانیوں کے نزدیک تمام مسلمان جو مرزا کو نبی نہیں مانتے سب نان مسلم ہیں۔

۴……مرزا کو نہ ماننے والا جہنمی ہے۔

۵……مرزا کو نہ ماننے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے

۶……قادیانیوں کے نزدیک مسلمانوں سے اختلاف فروعی نہیں اصولی ہے۔

۷……قادیانیوں کے نزدیک مرزا کا نہ ماننے والا صرف کافر نہیں بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۸……قادیانیوں کے نزدیک مسلمانوں کو مسلمان نہ سمجھنا فرض ہے۔

۹......مسلمانوں کا نماز جنازہ حتی کہ مسلمانوں کے بچوں کا بھی جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ظفر اللہ قادیانی نے قائد اعظم ؒ بانی پاکستان کا نماز جنازہ نہیں پڑھا تھا۔

۱۰......مرزا قادیانی معاذ اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

ان قادیانی دس حوالہ جات سے دس نتائج برآمد ہوئے ان کے ہوتے ہوئے ان کے متعلق کہنا کہ مسلمانوں سے معمولی اختلاف ہے یہ کس طرح زیبا ہے؟ اس پر رانا صاحب سے تدبر و فکر کی درخواست ہے۔

ج......ان حوالہ جات کے باوجود محترم رانا صاحب فرماتے ہیں کہ ”وہ (قادیانی) بس ایک پوائنٹ پر اختلاف کرتے ہیں۔ تو رانا صاحب کے اس فرمان سے بصد ادب اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ اس لئے کہ:

۱......مسلمانوں کے نزدیک حضور سرور کائنات ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں قادیانیوں کے نزدیک حضور سرور کائنات ﷺ کے بعد مرزا قادیانی بھی اللہ کا رسول اور نبی تھا۔

۲......مسلمانوں کے نزدیک رحمت عالم ﷺ کو ایمان کی حالت میں دیکھنے والے صحابہ کرام ؓ ہیں جب کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کے زمانہ میں اس کو قبول کرنے والے بھی صحابی ہیں۔

۳......مسلمانوں کے نزدیک رحمت عالم ﷺ کا خاندان اہل بیت ؓ ہے۔ جب کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کا خاندان بھی اہل بیت ہے۔

۴......مسلمانوں کے نزدیک رحمت عالم ﷺ کی ازواج امہات المؤمنین ؓ ہیں جب کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کی بیوی بھی ام المؤمنین ہے۔

۵......مسلمانوں کے نزدیک مدینہ منورہ میں جنت البقیع کا قبرستان مقدس ہے، قادیانیوں کے نزدیک قادیان کا بہشتی مقبرہ بھی مقدس ہے۔

۶......مسلمانوں کے نزدیک حضور سرور کائنات ﷺ کو نہ ماننے والا مسلمان نہیں۔ قادیانیوں کے نزدیک عالم اسلام کے کل مسلمان جو حضور ﷺ کو مانتے ہیں یہ سب مرزا قادیانی کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر ہیں۔

۷......مسلمانوں کے نزدیک آخرت کی نجات رحمت عالم ﷺ کی ذات اقدس کی تصدیق و اتباع میں منحصر ہے۔ جب کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کو مانے بغیر آخرت کی نجات ممکن نہیں۔

۸......مسلمانوں کے نزدیک مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ قابل احترام ہیں مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا محمود دوسرا قادیانی خلیفہ کہتا ہے کہ مکہ مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہوگیا ہے اب اسلام اور روحانیت مرزا قادیانی سے وابستہ ہے اور وہ برکات قادیان میں ہیں۔

۹......مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے۔ جب کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی پر بھی کلام اللہ نازل ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے۔

۱۰......مسلمانوں کے نزدیک حدیث رسول اللہ ﷺ مشعل راہ ہے۔ جب کہ قادیانیوں کے نزدیک جو حدیث رسول اللہ ﷺ، مرزا قادیانی کے کلام کے خلاف ہے وہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لائق ہے۔

محترم رانا صاحب! یہ باتیں ارتجالاً نوک قلم پر آگئیں ان پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور فرمائیں۔ تو خود آپ کو احساس ہوگا کہ قادیانی ”بس ایک پوائنٹ سے اختلاف کرتے ہیں“ آپ کا یہ جملہ حقیقت سے کتنا بعید ہے؟

د......محترم رانا صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ”قادیانی مسجدیں بناتے اور اذانیں دیتے ہیں۔ اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ سنا ہے کہ: ”باغبان نے چمن بیچ ڈالا“۔“

محترمی! پاکستان کے قانون میں قادیانی اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے۔ اسی پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ کے وزیر قانون قادیانی عبادت گاہ کو مسجد قرار دے رہے ہیں۔ قادیانی مسلمانوں کی طرز پر اذان نہیں دے سکتے۔ وزیر قانون ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ اذانیں دیتے ہیں۔ گویا کہ وزیر قانون تسلیم کرتے ہیں کہ قادیانی قانون پاکستان کے توڑنے والے ہیں۔ ان قانون کے باغیوں کو قانون کا پابند بنانا چاہئے یا ان کی وکالت کرنی چاہئے؟ اب یہ فیصلہ کرنا ہمارے وزیر قانون و انصاف پنجاب کے ذمہ ہے۔

ھ......رانا صاحب فرماتے ہیں کہ ”قادیانی خود کو نان مسلم نہیں مانتے۔“

محترمی! یہی تو جھگڑا ہے کہ وہ قادیانیت کو اسلام کہتے ہیں۔ قادیانی ہو کر اسلام کا ٹائٹل استعمال کرتے ہیں۔ خود کو مسلمان اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو نان مسلم کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے تشخص کو مجروح کرنا، اسلام کے تشخص کو برباد کرنا اپنے کفر کو اسلام کے نام پر پیش کرنا۔ یہ وہ قادیانی جرائم ہیں جن کے باعث ان کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اب قادیانیوں کا کہنا کہ کسی اسمبلی کو حق نہیں کہ وہ کسی کو کافر قرار دے۔ خوب بلکہ خوب تر۔ گویا قادیانیوں کو تو حق حاصل ہے کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو مرزا قادیانی کے نہ ماننے کی وجہ سے کافر قرار دیں۔ لیکن قومی اسمبلی ایسے منتخب ادارہ کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کے متعلق قانون سازی کرے۔

چلیں! ٹھیک سہی۔ لیکن قادیانی قیادت اس بارہ میں کیا ارشاد فرماتی ہے کہ جب قادیانی مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو تمہارے خلیفہ کیوں قومی اسمبلی میں پیش ہوئے؟۔ آپ کی جماعت قومی اسمبلی کی کاروائی میں کیوں شریک ہوئی؟۔ اور پھر یہ شرکت بھی تمہاری جماعت کی درخواست پر ہوئی کہ ہمیں قومی اسمبلی میں اپنا موقف پیش کرنے دیا جائے۔ خود اپنی مرضی سے درخواست دی۔ خوشی خوشی خلیفہ صاحب اس کارروائی کا حصہ بنے۔ اب انکار ”چہ معنی دارد“؟۔ ہر ملک کی قومی اسمبلی کو قانون سازی کا حق ہے تو پاکستان کی قومی اسمبلی پر اعتراض کیوں؟ کیا یہ پاکستان کو بدنام کرنے کی قادیانی سازش نہیں ہے؟ ہے، اور یقیناً ہے۔ تو کیا ان کی وکالت کرنی چاہیے؟

و......بات کو ختم کرنے سے قبل ایک وضاحت ضروری ہے۔

رانا صاحب! ایک ہندو جب کسی مسلمان سے ملتا ہے تو اس کا مسلمان سے ملتے ہی پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں رام کو ماننے والا ہوں یہ مسلمان، اللہ تعالیٰ کو ماننے والا ہے۔ میں وید کو مانتا ہوں یہ قرآن مجید کو مانتا ہے۔ میں ہندو ہوں یہ مسلمان ہے۔

ایک عیسائی جب کسی مسلمان کو ملتا ہے تو اس کا پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں عیسیٰ علیہ السلام کا امتی ہوں۔ یہ حضور علیہ السلام کا امتی ہے میں انجیل کو مانتا ہوں اور یہ قرآن مجید کو مانتا ہے۔ میں عیسائی ہوں یہ مسلمان ہے۔

ایک یہودی جب کسی مسلمان کو ملتا ہے اس کا پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا امتی ہوں یہ حضور علیہ السلام کا امتی ہے، میں تورات کو مانتا ہوں یہ قرآن مجید کو مانتا ہے میں یہودی ہوں یہ مسلمان ہے۔

جب کوئی سکھ مسلمان کو ملتا ہے تو اس کا پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں بابا نانک کا مرید ہوں یہ حضور ﷺ کا غلام ہے۔ میں گرنتھ کو مانتا ہوں۔ یہ قرآن مجید کو مانتا ہے میں سکھ ہوں یہ مسلمان ہے۔ گویا ہندو، عیسائی، یہودی، سکھ نے مسلمانوں کا یہ حق تسلیم کیا کہ حضور ﷺ کو ماننے والے مسلمان ہیں۔ دنیا میں صرف قادیانی ایک ایسا طبقہ ہے کہ جب کوئی قادیانی کسی مسلمان کو ملتا ہے تو قادیانی کا مسلمان کو ملتے ہی پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ میں مرزا قادیانی کو ماننے والا مسلمان ہوں اور یہ مسلمان حضور ﷺ کو ماننے والا نان مسلم ہے۔

اے کاش مسلمان سوچیں! کہ قادیانی آپ کو کیا سمجھتے ہیں اور آپ ان کے متعلق کیا کیا وکالت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں؟ ببیں تفاوت!!!(وزیر قانون جناب رانا ثناء اللہ سے کی گئی گزارشات ختم ہوئیں)

گزشتہ ایک ہفتہ (اوائل اکتوبر) میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی جدوجہد کے سلسلہ میں جو تازہ صورت حال تھی وہ عرض کر دی ہے۔ مزید اس پر انتہائی اعتدال و انصاف اور حق پسندی سے قانون کے دائرے میں رحمت عالم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے اپنی جدوجہد کو نئے ولولہ و جذبہ سے جاری رکھیں۔ خدا کرے جلد قادیانیت کے کفر کا خاتمہ ہو۔ اللہ رب العزت، قادیانیوں کو ایمان و اسلام اور عقیدہ ختم نبوت کے قبول کرنے کی سعادت سے سرفراز فرمائیں۔ ان کا اور امت مسلمہ کا اختلاف فروعی نہیں اصولی ہے۔

تازہ صورتحال اور ہماری ذمہ داری

یاد رہے! کہ بعض ایجنسیاں عقیدہ ختم نبوت کی اس تازہ صورتحال کو سیاسی مفادات کے لئے نیا رنگ دے رہی ہیں۔ ان سے گزارش ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی ختم نبوت کا عقیدہ، دین کا بنیادی و اساسی مسئلہ ہے اسے سیاسی اغراض، ذاتی مقاصد یا کسی کے سیاسی قد کے اتار چڑھاؤ کے لئے استعمال کرنا شرعاً و اخلاقاً کسی بھی طرح روا نہیں۔ اسے غلط مقاصد کے لئے استعمال کرنے والا، خدا تعالیٰ و رسول ﷺ کی ذات اقدس سے دشمنی کا مرتکب ہوگا۔ حق تعالیٰ سب کو اس سے محفوظ فرمائیں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا محمد و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

مسئلہ ختم نبوت اور قومی وحدت کا منظر!

شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ پر شیخ رشید احمد کی گھن گرج کے بعد کیپٹن (ر) صفدر کے طوفان باد و باراں نے جو صورتحال پیدا کر دی ہے اس کے مختلف پہلوؤں پر تبصروں کا سلسلہ جاری ہے اور جماعت احمدیہ کے ترجمان سلیم الدین کی طرف سے اس قسم کے بیانات کو ذرائع ابلاغ پر نہ لانے کی اپیل کے باوجود یہ تبصرے آگے بڑھتے دکھائی دے رہے ہیں۔ کیپٹن صفدر نے فوج میں قادیانیوں کی بھرتی پر پابندی سمیت جو مطالبات کئے ہیں ان پر فیصلہ قومی اسمبلی نے کرنا ہے لیکن اس سے تحریک ختم نبوت کے کارکنوں کو جو خوشی ہوئی ہے اس کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ختم نبوت کے مسئلہ پر شیخ رشید احمد اور کیپٹن صفدر (ر) ایک پیج پر نظر آ رہے ہیں جو قومی وحدت کا امید افزا رخ ہے۔

تحفظ ختم نبوت کے بارے میں ملک کے تمام مذہبی مکاتب فکر تو اپنے تمام تر اختلافات و تنازعات کے باوجود ہمیشہ سے متحد چلے آ رہے ہیں لیکن پارلیمنٹ میں اس مسئلہ پر راجہ محمد ظفر الحق، مولانا فضل الرحمان، کیپٹن (ر) صفدر، شیخ رشید احمد، شاہ محمود قریشی، میر ظفر اللہ جمالی، چودھری پرویز الٰہی، سینیٹر سراج الحق، سینیٹر حافظ حمد اللہ اور مختلف جماعتوں کے دیگر سرکردہ حضرات کو ایک صف میں دیکھ کر ۱۹۷۴ء کا وہ منظر ایک بار پھر آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے جب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، پروفیسر غفور احمد مرحوم، چودھری ظہور الٰہی مرحوم، حاجی مولا بخش سومرو مرحوم، مولانا عبد الحقؒ، مولانا ظفر احمد انصاریؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا کوثر نیازیؒ، مولانا محمد ذاکرؒ اور دیگر قائدین نے متفقہ طور پر اس مسئلہ کو دستوری طور پر حل کر دیا تھا۔ لیکن پارلیمنٹ کے اس دستوری اور جمہوری فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے قادیانیوں نے نہ صرف یہ مسئلہ باقی رکھا ہوا ہے بلکہ اس کے حوالہ سے وہ دنیا بھر میں حکومت پاکستان کے خلاف مورچہ بندی بھی قائم رکھے ہوئے ہیں۔

سادہ سی بات ہے کہ اگر مذکورہ قادیانی ترجمان جناب سلیم الدین کے بقول ان کی جماعت پاکستان کی وفادار ہے تو اسے ملکی رائے عامہ، منتخب پارلیمنٹ، عدالت عظمیٰ اور پوری قوم کے متفقہ فیصلے کو قبول کرنے میں کوئی حجاب نہیں ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ ایسا کرنے کی صورت میں نہ ۱۹۸۴ء کے صدارتی آرڈیننس کی کوئی ضرورت پیش آتا تھی، نہ اس کے بعد تحریک ختم نبوت کے دیگر مطالبات کا کوئی موقع رہ گیا تھا، اور نہ ہی قومی اسمبلی میں کیپٹن (ر) صفدر کے ان مطالبات کی نوبت آتی جن کی ذرائع ابلاغ میں اشاعت کو رکوانے کے لئے جماعت احمدیہ کو یہ اپیل کرنا پڑی ہے۔ آج بھی اس مسئلہ کا فطری اور منطقی حل یہی ہے کہ قادیانی امت اس متفقہ قومی فیصلے کو قبول کرنے کا اعلان کرے اور دستور کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے دنیا بھر کی امت مسلمہ کے خلاف محاذ آرائی ترک کر دے۔

اگر قادیانی قیادت یہ فطری راستہ اب بھی اختیار کر لیتی ہے تو اس پر عملدرآمد کی تفصیلات طے کرنے اور مسلمہ انسانی حقوق کے دائرے میں ان کے تحفظات کا جائزہ لینے کے لئے بات چیت ہو سکتی ہے جس سے تحریک ختم نبوت کی باشعور قیادت کو یقیناً انکار نہیں ہوگا۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شیخ رشید احمد اور کیپٹن (ر) صفدر نے قومی اسمبلی میں جس لہجے میں بات کی ہے وہ سیاسی نمبر سکور کرنے کے لئے یا احتساب سے بچنے کے لئے ہے اس لئے اسے سنجیدہ نہیں لینا چاہئے۔ مگر میرا ذوق اس حوالہ سے مختلف ہے اور احباب جانتے ہیں کہ کسی بھی معاملہ کا جائزہ لیتے ہوئے میں مثبت رخ کو ترجیح دیتا ہوں، افادیت کے امکانات کریدتا ہوں، باہمی مفاہمت کے راستے تلاش کرتا ہوں اور نیتوں کی جانچ پڑتال سے حتی الامکان گریز کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ اپنے اس ذوق سے الجھن محسوس کرنے والے حضرات کو بھی مخلص ہی گردانتا ہوں۔ لیکن بالفرض اس سب کچھ کو سیاسی ضروریات کے کھاتے میں ہی ڈال دیا جائے تب بھی یہ بات توجہ طلب ہے کہ بچے کو اگر باہر سے کوئی مارے تو وہ ماں کی گود میں گھستا ہے لیکن ایک گھر کے بچے اگر آپس میں لڑ پڑیں تو بھی وہ ماں ہی کی طرف لپکتے ہیں جس کی گود ان سب کی آخری پناہ گاہ ہوتی ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت اور ناموس رسالت و تحفظ ختم

نبوت کا جذبہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ماں کی گود ہی کی حیثیت رکھتا ہے جہاں آ کر نہ صرف اختلافات دب جاتے ہیں بلکہ چھوٹی بڑی غلطیوں کی معافی بھی مل جاتی ہے۔ اس لئے اگر بچے ایک دوسرے سے بچنے کے لئے ماں کی گود کا رخ کر رہے ہیں تب بھی خوشی کی بات ہے اور ہمارے خیال میں پارلیمنٹ کے حالیہ چند اجلاسوں کے ماحول کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہئے۔

البتہ ایک بات اس ضمن میں ان ''منصوبہ بندوں'' کے ساتھ بھی کرنا ضروری ہے جنہوں نے یہ ساری پلاننگ کی ہے اور قوم کو ایک نئے مخمصے سے دوچار کر دیا ہے کہ اس قسم کی حرکتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ انہیں یاد ہوگا کہ ختم نبوت کے اسی حلف نامہ کے بارے میں اس قسم کی سازش ضیاء الحق مرحوم کے دور میں بھی کی گئی تھی جو اسی طرح ناکام ہوئی تھی۔ اب کم وبیش تین عشروں کے بعد بھی وہی حرکت دہرائی گئی ہے تو اس کا حشر بھی انہوں نے دیکھ لیا ہے جو قرآن کریم کے ارشاد گرامی ''ومکروا ومکر اللّٰہ'' کی زندہ تعبیر کی صورت میں ایک بار پھر ہم سب کے سامنے ہے اور جب تک مسلمانان پاکستان ''ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم'' کا مصداق بنے رہیں گے یہ سازشیں بے نقاب ہوتی رہیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس لئے عقل و دانش کا راستہ یہی ہے کہ زمینی حقائق کو تسلیم کر لیا جائے اور پوری قوم کے جذبات و احساسات کا بار بار امتحان لینے کی بجائے ان کا احترام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سرخم کر دیا جائے۔ آخر اس طرح قوم کا، قومی اداروں کا اور خود اپنا وقت ضائع کرتے چلے جانا تو کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہے۔

(روزنامہ اسلام، کراچی ۱۴؍اکتوبر ۲۰۱۷ء)

مفتی محمودؒ ایک عہد ساز شخصیت

تحریر: وقار احمد طاہر

۹؍جنوری ۱۹۱۹ء پنیالہ ڈیرہ اسماعیل خان میں حضرت خلیفہ محمد صدیق کے ہاں پیدا ہونے والے فرزند کا نام محمود رکھا گیا۔ یہ وہی محمود تھے جنہوں نے بعد میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمود رحمۃ اللہ کے نام سے شہرت پائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر دور میں اپنے منتخب بندوں سے دین کی حفاظت اور ترویج واشاعت کا کام لیتا رہا ہے، صدیوں سے اکابرین امت دین حنیف کی تبلیغ واشاعت علوم کی ترویج اور فنون کی تدوین میں مصروف ہیں، ان ہی علماء، صلحاء کی خدمات کی بدولت صدیوں سے نسل در نسل قرآن وسنت ہم تک پہنچا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے والد حضرت مولانا خلیفہ صدیق قبیلہ ناصر کی شاخ یحییٰ خیل سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا پورا خاندان اہل علم تھا، مفتی محمود رحمۃ اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور ماموں مولوی شیر محمد سے گھر پر ہی حاصل کی۔ چھ برس کی عمر میں آپ کو پنیالہ کے مڈل اسکول میں داخل کرا دیا گیا، ۱۹۳۴ء میں مفتی محمود رحمۃ اللہ نے مڈل اسٹینڈرڈ کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد دینی علوم کے حصول کے لئے آپ کے والد نے آپ کو مدرسہ شاہی مرادآباد بھیجا۔ لیکن مفتی محمودؒ اپنی خواہش پر دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل مدرسہ اسلامیہ امروہہ سے کی، اسی مدرسہ سے قرأت سبعہ عشرہ مکمل کی۔ کچھ عرصہ آپ نے عیسیٰ خیل کے مدرسہ میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے، آپ نے شاہ عبدالعزیزؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کی منازل طے کیں۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کی شادی پنیالہ کے قریب واقع عبدالخیل نامی گاؤں کے صوفی نیاز محمد کی بیٹی سے ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں اپنے مرشد شاہ عبدالعزیزؒ کے حکم پر بغرض امامت اپنے سسرالی گاؤں عبدالخیل چلے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں آپ کی تقرری بحیثیت مدرس ومفتی ہوئی، چند سال بعد آپ شیخ الحدیث کچھ عرصہ بعد وہاں کے مہتمم مقرر ہوئے۔

قائد ملت مفکر اسلام مفتی محمود رحمۃ اللہ بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے، آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور ملتان جیل میں تحریک کے دیگر راہنماؤں کے ساتھ آپ کو قید کر دیا گیا چھ ماہ بعد آپ کو رہائی ملی۔ ۱۹۶۵ء میں قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا اور ڈیرہ اسماعیل خان کی واحد نشست سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں مفتی محمودؒ نے ۱۳ہزار ووٹوں سے ذوالفقار علی بھٹو کو شکست دی۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے وزیر اعلیٰ سرحد کے عہدے کا حلف اٹھایا تو چیف سیکریٹری نے رہائش کے لئے گیسٹ ہاؤس منتخب کیا اور مفتی محمودؒ سے گزارش کی انگریزوں کے دور کا فرنیچر اور سامان تبدیل کرانے کی کوشش کرے، مگر مفتی صاحب نے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! یہ تم کس چکر میں پڑ گئے ہو میرے اپنے گھر میں تو کوئی ٹوٹا پھوٹا صوفہ بھی نہیں۔'' وزارت اعلیٰ کے حلف اٹھانے کے بعد شراب بنانے، رکھنے اور بیچنے پر پابندی عائد کر دی، آپ کی سب سے بڑی خوبی بروقت نماز کی ادائیگی تھی۔ ایک مرتبہ بہت بڑا مجمع آپ کے ساتھ جا رہا تھا کہ اذان ہوگئی اسی وقت تمام لوگوں کو روکا اور نماز پڑھوائی، ایک پولیس اہلکار سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے وضو کیا ہے؟ تو پولیس والے نے جواب دیا کہ جب سے مفتی صاحب کے ساتھ ہیں ہم پہلے سے ہی وضو کرتے ہیں، کیونکہ ہمیں پتہ ہوتا ہے کہ ہر حال میں مفتی صاحب نے ہم سے نماز پڑھوانی ہے۔ آپ نو ماہ تک وزیر اعلیٰ سرحد رہے اور احتجاجاً مستعفی ہوئے صوبہ بھر میں اردو کو بطور سرکاری زبان نافذ کیا اور عورتوں کو پردے کا حکم دیا۔ ۱۹۷۳ء کا آئین آپ ہی کی جدوجہد کا ثمر ہے۔ ۱۹۷۴ء میں جب غلام احمد قادیانی کا چیلہ مرزا ناصر اسلامی لباس کا لبادہ اوڑھ کر اسمبلی میں آیا تو اسمبلی کے اکثریت اس سے متاثر ہوگئی...... دیگر علماء کرام کے ساتھ مل کر مفتی صاحب کی ہی یہ مناظرانہ جدوجہد تھی کہ مرزائی غیر مسلم قرار پائے اور ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء پاکستان کی تاریخ کا تاریخ ساز دن کہلایا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا شمار ایسے علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے پوری زندگی علوم دینیہ کی خدمت اور تحفظ ختم نبوت میں گزاری، وہ اپنے عہد کے مفسر، محدث، مدبر، عالم باعمل، سیاست دان اور فقیہ تھے، آپ کی پوری زندگی قال اللہ وقال الرسول میں گزری۔ ۱۴؍اکتوبر ۱۹۸۰ء کو کراچی میں حج کے سفر کے دوران جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں فقہی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے، اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، آپ کو اپنے آبائی گاؤں عبدالخیل پنیالہ ڈیرہ اسماعیل خان میں دفن کیا گیا۔ ☆☆☆

استخارہ سنت کے مطابق کیجئے

مولانا محمد عمر انور، استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی (۲)

استخارہ کا نتیجہ اور مقبول ہونے کی علامت

استخارہ سے کس طرح رہنمائی ملے گی؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استخارہ کا صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ جس کام میں تردد اور شک ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا یوں؟ یا یہ کرنا بہتر ہے یا نہیں؟ تو استخارے کے مسنون عمل سے دو فائدے ہوتے ہیں:

۱-دل کا کسی ایک بات پر مطمئن ہو جانا۔

۲-اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا۔

تاہم اس میں خواب آنا ضروری نہیں۔

(اصلاح انقلاب امت)

استخارہ میں صرف یکسوئی کا حاصل ہونا استخارہ کے مقبول ہونے کی دلیل ہے، اس کے بعد اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے، اگر کئی مرتبہ استخارہ کے بعد بھی یکسوئی اور کسی ایک جانب اطمینان نہ ہو تو استخارہ کے ساتھ ساتھ استشارہ بھی کرے یعنی اس کام میں کسی سے مشورہ بھی لے لیکن استخارہ میں ضروری نہیں کہ یکسوئی ہوا ہی کرے۔ (الکلام الحسن)

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے، بس جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کرلے، اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے، لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد حاصل ہو گیا، اس لئے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے، جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے معلوم بھی نہیں ہوتا، بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرما دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے، جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے، اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو پتہ نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

بس استخارہ کی حقیقت اتنی سی ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لی، پھر آگے جو ہوگا اسی میں خیر ہے، کام ہو گیا تو خیر! نہیں ہوا تو خیر! دل جس طرف متوجہ ہو جائے اور جس کے اسباب پیدا ہو رہے ہوں یقین کرلیں کہ یہی میرے لئے بہتر ہے اور اگر دل کی توجہ ہٹ گئی یا اسباب پیدا نہیں ہوئے یا اسباب موجود تھے مگر استخارہ کے بعد ختم ہو گئے، کام نہیں ہو سکا تو اطمینان رکھے، اللہ پر یقین رکھے کہ اس میں میری بہتری ہوگی، اپنی طبیعت بہت چاہتی ہے مگر اللہ تعالیٰ میرے نفع و نقصان کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، اس طرح سوچنے سے ان شاء اللہ اطمینان ہو جائے گا، اگر دل کا رجحان کسی جانب نہ ہو تو صرف اسباب کے پیش نظر جو فیصلہ بھی کرے گا اس میں خیر ہوگی، خدانخواستہ اگر استخارہ کے بعد کوئی نقصان بھی ہو جائے تو یہ عقیدہ رکھے کہ استخارہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے چھوٹے نقصان کے ذریعے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا، استخارہ کی دعا میں دین کا ذکر پہلے ہے اور دنیا کا بعد میں، اس لئے کہ مسلمان کا اصل مقصد دین ہے، دنیا تو درحقیقت دین کے تابع ہے۔

> **یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ استخارہ صرف اہم اور بڑے کاموں ہی میں نہیں ہے بلکہ اپنے ہر کام میں چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ تعالیٰ سے خیر اور بھلائی طلب کرنی چاہیے**

استخارہ کے باوجود اگر نقصان ہو گیا تو؟

عن مکحول الازدی رحمہ اللہ تعالیٰ قال: "سمعت ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ یقول: ان الرجل یستخیر اللّٰہ تبارک و تعالیٰ فیختار لہ، فیسخط علی ربہ عز وجل، فلا یلبث ان ینظر فی العاقبۃ فاذا ہو خیر لہ" (کتاب الزہد)

مکحول ازدی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد

سنا، فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے کہ جس کام میں میرے لئے خیر ہو وہ کام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہ کام اختیار فرما دیتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، لیکن ظاہری اعتبار سے وہ کام اس بندہ کی سمجھ میں نہیں آتا تو بندہ اپنے پروردگار سے ناراض ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تو یہ کہا تھا کہ میرے لئے اچھا کام تلاش کیجیے، لیکن جو کام ملا وہ تو مجھے اچھا نظر نہیں آرہا ہے، اس میں میرے لئے تکلیف اور پریشانی ہے، لیکن کچھ عرصے بعد جب انجام سامنے آتا ہے تب اس کو پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا، اس وقت اس کو پتہ نہیں تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ زیادتی اور ظلم ہوا ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا صحیح ہونا بعض اوقات دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات آخرت میں ظاہر ہوگا۔

اب جب وہ کام ہو گیا تو ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آرہا ہے، دل کے مطابق نہیں ہے، تو اب بندہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے آپ سے استخارہ کیا تھا مگر کام وہ ہو گیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہو رہا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ ارے نادان! تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا، لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا، اس نے جو کیا وہی تیرے حق میں بہتر تھا، بعض اوقات دنیا میں تجھے پتہ چل جائے گا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں بھی پتہ نہیں چلے گا، جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ واقعتاً یہی میرے لئے بہتر تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے ایک بچہ ہے جو ماں باپ کے سامنے مچل رہا ہے کہ فلاں چیز کھاؤں گا اور ماں باپ جانتے ہیں کہ اس وقت یہ چیز کھانا بچے کے لئے نقصان دہ اور مہلک ہے، چنانچہ ماں باپ بچے کو وہ چیز نہیں دیتے، اب بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ میرے ماں باپ نے مجھ پر ظلم کیا، میں جو چیز مانگ رہا تھا وہ مجھے نہیں دی اور اس کے بدلے میں مجھے کڑوی کڑوی دوا کھلا رہے ہیں، اب وہ بچہ اس دوا کو اپنے حق میں خیر نہیں سمجھ رہا ہے لیکن بڑا ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس بچے کو عقل اور فہم عطا فرمائیں گے اور اس کو سمجھ آئے گی تو اس وقت اس کو پتہ چلے گا کہ میں تو اپنے لئے موت مانگ رہا تھا اور میرے ماں باپ میرے لئے زندگی اور صحت کا راستہ تلاش کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ وہ راستہ اختیار فرماتے ہیں جو انجام کار بندہ کے لئے بہتر ہوتا ہے، اب بعض اوقات اس کا بہتر ہونا دنیا میں پتہ چل جاتا ہے اور بعض اوقات دنیا میں پتہ نہیں چلتا۔

یہ کمزور انسان کس طرح اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا ادراک کر سکتا ہے، وہی جانتے ہیں کہ کس بندے کے حق میں کیا بہتر ہے؟ انسان صرف ظاہر میں چند چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو برا ماننے لگتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا کہ کس کے حق میں کیا اور کب بہتر ہے۔

اسی وجہ سے اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں کہ جب تم کسی کام کا استخارہ کر چکو تو اس کے بعد اس پر مطمئن ہو جاؤ کہ اب اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ خیر ہی کا فیصلہ فرمائیں گے، چاہے وہ فیصلہ ظاہر نظر میں تمہیں اچھا نظر نہ آرہا ہو، لیکن انجام کے اعتبار سے وہی بہتر ہوگا، اور پھر اس کا بہتر ہونا یا تو دنیا ہی میں معلوم ہو جائے گا، ورنہ آخرت میں جا کر تو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔ (اصلاحی خطبات)

استخارہ کے بارے میں چند کوتاہیاں اور غلط فہمیاں:

مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اب دیکھئے (استخارہ) کس قدر آسان کام ہے، مگر اس میں بھی شیطان نے" پیوند لگا دیئے ہیں:

۱- پہلا پیوند یہ کہ دو رکعت پڑھ کر کسی سے بات کئے بغیر سو جاؤ، سونا ضروری ہے ورنہ استخارہ بے فائدہ رہے گا۔

۲- دوسرا پیوند یہ لگایا کہ لیٹو بھی دائیں کروٹ پر۔

۳- تیسرا یہ کہ قبلہ رو لیٹو۔

۴- چوتھا پیوند یہ لگایا کہ لیٹنے کے بعد خواب کا انتظار کرو، استخارہ کے دوران خواب نظر آئے گا۔

۵- پانچواں پیوند یہ لگایا کہ اگر خواب میں فلاں رنگ نظر آئے تو وہ کام بہتر ہوتا ہے، فلاں نظر آئے تو وہ بہتر نہیں۔

۶- چھٹا پیوند یہ لگایا کہ اس خواب میں کوئی بزرگ آئے گا بزرگ کا انتظار کیجئے کہ وہ خواب میں آکر سب کچھ بتا دے گا، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ بزرگ کون ہوگا؟ اگر شیطان ہی بزرگ بن کر خواب میں آجائے تو اس کو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ شیطان ہے یا کوئی بزرگ؟

یاد رکھئے کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی حدیث سے ثابت نہیں، بس یہ باتیں لکھنے والوں نے کتابوں میں بغیر تحقیق کے لکھ دی ہیں، اللہ تعالیٰ ان لکھنے والے مصنفین پر رحم فرمائیں۔" (خطبات الرشید)

باوضو، قبلہ رخ اور دائیں کروٹ پر سونا نیند کے آداب میں سے تو ضرور ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ

استخارہ رات کو سونے سے پہلے ان مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ لازمی سمجھ کر کیا جائے۔

۱-استخارہ صرف اہم کام کے لئے نہیں:

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ صرف اسی کام میں ہے جو کام بہت اہم یا بڑا ہے اور جہاں انسان کے سامنے دو راستے ہیں یا جس کام میں انسان کو تردد یا شک ہے صرف ایسے ہی کاموں میں استخارہ کرنا چاہئے، چنانچہ آج کل عوام الناس کو اپنی زندگی کے صرف چند مواقع پر ہی استخارہ کے مسنون عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے، مثلاً نکاح کے لئے یا کاروبار کے لئے استخارہ کرلیا اور بس! گویا ہم ان چند گنے چنے مواقع پر تو اللہ سے خیر اور بھلائی کے طلب گار ہیں اور باقی تمام زندگی کے روز و شب میں ہم اللہ سے خیر مانگنے سے بے نیاز اور مستغنی ہیں، یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ استخارہ صرف اہم اور بڑے کاموں ہی میں نہیں ہے بلکہ اپنے ہر کام میں چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ تعالیٰ سے خیر اور بھلائی طلب کرنی چاہئے، اسی طرح استخارے میں یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کام میں تردد اور تذبذب ہو تب ہی استخارہ کیا جائے، بلکہ تردد نہ بھی ہو اور اس کام میں ایک ہی صورت اور ایک ہی راستہ ہو تب بھی استخارہ کرنا چاہئے، حدیث نبوی کے الفاظ ہیں:

”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلھا۔“(بخاری)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ہر کام میں استخارہ یعنی اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔

۲-استخارہ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ ہمیشہ رات کو سوتے وقت ہی کرنا چاہئے یا عشاء کی نماز کے بعد ہی کرنا چاہئے، ایسا کوئی ضروری نہیں، بلکہ جب بھی موقع ملے اس وقت استخارہ کرلے، نہ رات کی کوئی قید ہے اور نہ دن کی کوئی قید ہے، نہ سونے کی کوئی قید ہے اور نہ جاگنے کی کوئی قید ہے بشرطیکہ وہ نفل کی ادائیگی کا مکروہ وقت نہ ہو۔

۳-استخارہ کے بعد خواب آنا ضروری نہیں:

استخارہ کے بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ”استخارہ“ کرنے کا کوئی خاص طریقہ اور خاص عمل ہوتا ہے، اس کے بعد کوئی خواب نظر آتا ہے اور اس خواب کے اندر ہدایت دی جاتی ہے کہ فلاں کام کرو یا نہ کرو، خوب سمجھ لیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے استخارہ کا جو مسنون طریقہ ثابت ہے، اس میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد آسمان سے کوئی فرشتہ آئے گا یا کوئی کشف والہام ہوگا یا خواب آئے گا اور خواب کے ذریعے ہمیں بتایا جائے گا کہ یہ کام کرو یا نہ کرو۔ یاد رکھئے! خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے یا خواب میں کوئی اشارہ ضرور دیا جائے، بعض مرتبہ خواب میں آجاتا ہے اور بعض مرتبہ نہیں آتا۔

۴-کسی دوسرے سے ”استخارہ نکلوانا“:

استخارہ کے باب میں لوگ ایک غلطی کرتے ہیں اس کی اصلاح بھی ضروری ہے وہ یہ کہ بہت سے لوگ خود استخارہ کرنے کی بجائے دوسروں سے کرواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے ”استخارہ نکال دیجئے“ گویا جیسے فال نکالی جاتی ہے ویسے ہی استخارہ بھی نکال دیجئے، دوسروں سے استخارے کروانے کا مطلب تو وہی عمل ہوا جو جاہلیت میں مشرکین کیا کرتے تھے اور جس کے انسداد اور خاتمے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو استخارے کی نماز اور دعا سکھائی اور یہ اسی وجہ سے ہوا کہ لوگوں نے استخارے کو یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سے گویا کوئی خبر مل جاتی ہے یا یہ الہام ہو جاتا ہے کہ کیا کرنا چاہئے؟ جس طرح جاہلیت میں تیروں پر لکھ کر یہ معلوم کیا جاتا تھا اسی طرح آج کل تسبیح کے دانوں پر اس قسم کے استخارے کئے جارہے ہیں، یہ طریقہ بالکل غلط ہے اور انتہا تو یہ ہوگئی کہ اب عوام میں یہ رواج چل پڑا ہے کہ ٹی وی اور ریڈیو پر استخارے نکلوائے جارہے ہیں، حالانکہ استخارہ اللہ تعالیٰ سے اپنے معاملے میں خیر اور بھلائی کا طلب کرنا ہے نہ کہ خبر کا معلوم کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایت یہ ہے کہ جس کا کام ہو وہ خود استخارہ کرے، دوسروں سے کروانے کا کوئی ثبوت نہیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود تھے اس وقت صحابہ سے زیادہ دین پر عمل کرنے والا کوئی نہیں تھا اور حضور سے بہتر استخارہ کرنے والا بھی کوئی نہ تھا لیکن آج تک کہیں یہ نہیں لکھا کہ کسی صحابی نے حضور سے جا کر یہ کہا ہو کہ آپ میرے لئے استخارہ کردیجئے، سنت طریقہ یہی ہے کہ صاحب معاملہ خود کرے، اسی میں برکت ہے۔ لوگ یہ سوچ کر کہ ہم تو گناہ گار ہیں، ہمارے استخارے کا کیا اعتبار؟ اس لئے خود استخارہ کرنے کی بجائے فلاں بزرگ اور عالم سے یا کسی نیک آدمی سے کرواتے ہیں کہ اس میں برکت ہوگی، لوگوں کا یہ زعم اور یہ عقیدہ غلط ہے، جس کا کام ہو وہ خود استخارہ کرے خواہ وہ نیک ہو یا گناہ گار، دوسرے سے استخارہ کرانا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، خود دعا کے الفاظ سے بھی یہی مترشح ہو رہا ہے، دعا کے الفاظ میں متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اس لئے صاحب معاملہ کو خود کرنا چاہئے، استخارہ دوسرے سے کروانا، ناجائز تو نہیں لیکن بہتر اور مسنون بھی نہیں ہے۔ سلامتی کا طریقہ وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے کہ صاحب معاملہ خود کرے۔ (جاری ہے)

اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ...... تاریخ کا مظلوم حکمراں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

عجب بات ہے کہ دہلی میں چند کلومیٹر پر مشتمل ایک چھوٹی سی سڑک اورنگ زیب عالمگیرؒ جیسے عظیم فرماں رواکے نام منسوب ہے؛ لیکن یہ نسبت بھی فرقہ پرستوں کے دلوں میں کانٹا بن کر چبھ رہی ہے اور اس کا نام بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے، اورنگ زیبؒ کے بارے میں ''جدوناتھ سرکار'' جیسے تنگ نظر، متعصب فرقہ پرست اور حقیقت بےزار مصنف کو بھی یہ کہنا پڑا کہ: ''اورنگ زیب کے اقتدار نے مغل حکومت کے ہلال کو بدر کامل بنادیا'' اب اگر کوئی چاند پر تھوکنے کی کوشش کرے تو یہ تھوک اسی کی طرف واپس آئے گا؛ اس لئے ایسی باتوں سے صرف نظر کر جانا نامناسب نہ ہوتا؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہندوستان کی نئی تاریخ لکھی جارہی ہے؛ بلکہ نئی تاریخ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ فرقہ پرست عناصر کو مسئلہ کی اصل حقیقت بتائی جائے اور سچائی کی روشنی پھیلائی جائے۔

برصغیر پر جن مسلم خاندانوں نے حکومت کی ہے، ان میں غالباً سب سے طویل عرصہ مغلوں کے حصہ میں آیا ہے، جو ۱۵۲۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء یعنی تقریباً ساڑھے تین سو سال کے عرصہ پر محیط ہے، اس دوران اگرچہ ہمیشہ پورے خطہ پر مغلوں کو دور اقتدار حاصل نہیں رہا اور بہت سے علاقے ان کے قبضہ میں آتے اور جاتے رہے؛ لیکن تقریباً اس پورے عرصہ میں وہ قوت اقتدار کی علامت بنے رہے، اس خاندان کے چھٹے فرماں روا اورنگ زیب عالمگیرؒ تھے، اورنگزیب عالمگیر ۱۶۱۸ء میں ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوئے اور ۱۷۰۷ء میں وفات پائی، گویا پورے نوے سال کی طویل عمر پائی، پھر ان کی خوش قسمتی ہے کہ ۱۶۵۷ء سے لے کر ۱۷۰۷ء تک یعنی تقریباً پچاس سال انہوں نے حکومت کی اور ان کے عہد میں ہندوستان کا رقبہ جتنا وسیع ہوا، اتنا وسیع نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ اس کے بعد، یعنی موجودہ افغانستان سے لے کر بنگلہ دیش کی آخری سرحدوں اور لداخ وتبت سے لے کر جنوب میں کیرالا تک وسیع وعریض سلطنت کا قیام اسی بادشاہ کی دین ہے۔

> اورنگ زیبؒ نے قدیم سڑکوں اور سرایوں کی مرمت، نئی سڑکوں اور مسافرخانوں کی تعمیر، تعلیمی اداروں اور عبادت گاہوں کو جاگیروں کے عطیہ وغیرہ کے جو رفاہی کام کئے، ان کے علاوہ مختلف دوسرے میدانوں میں جو خدمتیں انجام دی ہیں، وہ بھی آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں

ان کی اخلاقی خوبیوں پر تمام مؤرخین یہاں تک کہ ان کے مخالفین بھی متفق ہیں کہ یہ تخت شاہی پر بیٹھنے والا ایک درویش تھا، جو قرآن مجید کی کتابت اور ٹوپیوں کی سلائی سے اپنی ضروریات پوری کرتا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی موت کے وقت وصیت کی کہ ان کی اسی آمدنی سے تجہیز وتکفین کی جائے، ایسے زاہد، درویش صفت، قناعت پسند اور عیش و عشرت سے دور بادشاہ کی نہ صرف ہندوستان بلکہ تاریخ عالم میں کم مثالیں مل پائیں گی، یہ تو ان کی ذاتی زندگی کے اوصاف ہیں، اس کے علاوہ اورنگ زیبؒ نے اپنے عہد میں غیر معمولی اصلاحات بھی کیں، ترقیاتی کام کئے، نامنصفانہ احکام کو ختم کیا، اور سرکاری خزانوں کو عوام پر خرچ کرنے اور رفاہی کاموں کو انجام دینے کی تدبیر کی، اس سلسلہ میں چند نکات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) اب تک عوام پر بہت سارے ٹیکس لگائے جاتے تھے، اور یہ صرف مغل حکمرانوں کا ہی طریقہ نہیں تھا؛ بلکہ اس زمانہ میں جو راجے رجواڑے اور ان کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں، وہ بھی اس طرح کے ٹیکس لیا کرتی تھیں، شیواجی تو اپنے مقبوضہ علاقہ میں چوتھ یعنی پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کیا کرتے تھے، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے مال گذاری کے علاوہ جو ٹیکس لئے جاتے تھے، جن کی تعداد اسی (۸۰) ذکر کی گئی ہے، ان سب کو نامنصفانہ اور کسان مخالف قرار دیتے ہوئے ختم کردیا؛ حالاں کہ اس کی آمدنی کروڑوں ہوتی تھیں، یہ بات قابل غور ہے کہ عام طور پر اورنگ زیب کو ہندو مخالف پیش کیا جاتا ہے؛ لیکن انہوں نے

متعدد ایسے ٹیکسوں کو معاف کردیا، جن کا تعلق ہندوؤں سے تھا، جیسے گنگا پوجا ٹیکس، گنگا اشنان ٹیکس اور گنگا میں مُردوں کو بہانے کا ٹیکس۔

(۲) انہوں نے مال گذاری کا قانون مرتب کیا اور اس کے نظم ونسق کو پختہ بنایا، یہاں تک کہ شاہ جہاں کے دور میں ڈھائی کروڑ پونڈ کے قریب سلطنت کی آمدنی تھی، تو وہ عالمگیر کے دور میں چار کروڑ پونڈ کے قریب پہنچ گئی۔

(۳) حکومتوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی عہدہ دار کا انتقال ہوجاتا تو اس کی ساری جائیداد ضبط کرلی جاتی اور حکومت کے خزانہ میں داخل ہوجاتی، آج بھی بعض مغربی ملکوں میں ایسا قانون موجود ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کے بغیر دنیا سے گزر جائے تو اس کا پورا ترکہ حکومت کی تحویل میں چلا جاتا ہے، عالمگیر نے اس طریقہ کو ختم کیا؛ تاکہ عہدہ دار کے وارثوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

(۴) انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ مظلوموں کے لئے انصاف کا حصول آسان ہو جائے، وہ روزانہ دو تین بار دربار عام کرتے تھے، یہاں حاضری میں کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی، ہر چھوٹا بڑا، غریب وامیر، مسلمان وغیر مسلم، بے تکلف اپنی فریاد پیش کرسکتا تھا اور بلا تاخیر اس کو انصاف فراہم کیا جاتا تھا، وہ اپنے خاندان کے لوگوں، شہزادوں اور مقرب عہدہ داروں کے خلاف فیصلہ کرنے میں بھی کسی تکلف سے کام نہیں لیتے تھے؛ لیکن اس کے علاوہ انہوں نے دور دراز کے لوگوں کے لئے ۱۰۸۲ھ میں ایک فرمان کے ذریعہ ہر ضلع میں سرکاری نمائندے مقرر کئے کہ اگر لوگوں کو بادشاہ اور حکومت کے خلاف کوئی دعویٰ کرنا ہو تو وہ ان کے سامنے پیش کریں اور ان کی تحقیق کے بعد عوام کے حقوق ادا کردیں۔

(۵) عالمگیر کا ایک بڑا کارنامہ حکومت کی باخبری کے لئے واقعہ نگاری اور پرچہ نویسی کا نظام تھا، جس کے ذریعہ ملک کے کونے کونے سے بادشاہ کے پاس اطلاعات آتی رہتی تھیں، اور حکومت تمام حالات سے باخبر رہ کر مناسب قدم اُٹھاتی تھی، اس نظام کے ذریعہ ملک کا تحفظ بھی ہوتا تھا، عوام کو بروقت مدد بھی پہنچائی جاتی تھی، اور عہدہ داروں کو ان کی غلطیوں پر سرزنش بھی کی جاتی تھی، اس کا سب سے بڑا فائدہ رشوت ستانی کے سدباب کی شکل میں سامنے آیا۔

۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں ہزاروں مسجدیں شہید کردی گئیں، اندرا گاندھی کے دور میں سکھوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ گولڈن ٹمپل اور اکال تخت کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، گجرات کے ۲۰۰۲ء کے فساد میں کتنی ہی مسجدیں شہید کردی گئیں اور حکومت نے اس کی تعمیر نو کرنے سے انکار کردیا

عام طور پر حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کو رشوت ''گفٹ'' کے نام پر دی جاتی ہے، یہ نام کرپشن کے لئے ایک پردہ کا کام کرتا تھا، اُس زمانہ میں یہ رقم نذرانہ کے نام سے دی جاتی تھی، جو بادشاہوں کو حکومت کے عہدہ داران اور اصحاب ثروت کی جانب سے اور عہدہ داروں کو ان کے زیر اثر رعایا کی جانب سے ملا کرتی تھی، اورنگ زیبؒ نے ہر طرح کے نذرانہ پر پابندی لگادی، خاص کر نوروز کے جشن پر تمام امراء بادشاہ کی خدمت میں بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے تھے، اورنگ زیبؒ نے اپنی حکومت کے اکیس ویں سال اس جشن ہی کو موقوف کردیا اور فرمان جاری کردیا کہ خود ان کو کسی قسم کا نذرانہ پیش نہ کیا جائے۔

(۶) عام طور پر جہاں بھی شخصی حکومتیں رہی ہیں، وہاں عوام کو اطاعت وفرماں برداری پر قائم رکھنے کے لئے بادشاہ کے بارے میں مبالغہ آمیز تصورات کا اسیر بنایا جاتا ہے، اسی لئے تیمور لنگ کہا کرتا تھا کہ جیسے آسمان پر خدا ہے، زمین میں وہی درجہ ایک بادشاہ کا ہے، اسی لئے مغلوں کے یہاں بھی ہندوانہ طریقہ کے مطابق ایک طرح کی بادشاہ پرستی مروّج رہی ہے، اکبر کے یہاں تو بادشاہ کا دیدار اور سجدہ کرنا ایک عبادت تھا اور ہرروز بے شمار لوگ یہ عبادت بجالاتے تھے، جہانگیر نے سجدہ ختم کیا؛ لیکن زمین بوسی باقی رہی، عالمگیر نے جھروکا درشن بالکلیہ ختم کردیا، جس میں لوگ صبح کو بطور عبادت بادشاہ کا دیدار کرتے تھے اور اس وقت تک کھاتے پیتے نہیں تھے؛ البتہ اس بات کی اجازت تھی کہ اگر کوئی ضرورت مند آئے تو اس کی درخواست رَسی میں باندھ کر اوپر بادشاہ کے پاس پہنچادی جائے۔

(۷) عموماً حکمرانوں کی شاہ خرچی اور حکمرانوں کے چونچلے غریب عوام کی کمر توڑ دیتے ہیں، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ایسے تکلفات کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی، جیسا کہ گذرا، شاہی نذرانوں کو بند کیا، دربار شاہی میں بادشاہوں کی تعریف کرنے والے شعراء ہوا کرتے تھے اور ان پر ایک ذمہ دار ہوا کرتا تھا، جو ''ملک الشعراء'' کہلاتا تھا، اورنگ زیبؒ نے اس شعبہ کو ختم کردیا، وہ اپنی شان میں کسی بڑائی اور مبالغہ آمیز شاعری کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے، بادشاہ کا دل بہلانے کے لئے دربار شاہی میں گانے بجانے کا خصوصی انتظام ہوتا تھا، قوال اور رقاصائیں گا کر اور ناچ کر بادشاہ کا دل خوش کرتی تھیں اور ان پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کی جاتی تھیں،

عالمگیر نے اس سلسلہ کو بھی موقوف کردیا، بادشاہ کے لکھنے کے لئے سونے اور چاندی کی دواتیں رکھی جاتی تھیں، عالمگیر نے اس کے بجائے چینی کی دواتیں رکھنے کی تلقین کی، انعام کی رقمیں چاندی کے بڑے طشت میں لائی جاتی تھی، اس طشت کی رسم کو بھی اورنگ زیبؒ نے موقوف کردیا، عام طور پر بادشاہوں کی جیب خرچ کے لئے کروڑوں روپے کی آمدنی مخصوص کردی جاتی تھی، آج بھی جمہوری ملکوں میں سربراہِ حکومت کے لئے رہائش، سفر اور ضروریات وغیرہ پر جو رقمیں صرف کی جاتی ہیں اور رہائش کے لئے جو وسیع مکان اور اعلیٰ درجہ کی سہولت فراہم کی جاتی ہے، وہ گذشتہ بادشاہوں کی شاہ خرچی کو بھی شرمندہ کرتی ہیں؛ لیکن اورنگ زیبؒ نے اپنے لئے نہ کوئی عظیم الشان محل تعمیر کرایا، نہ اپنی تفریح کے لئے کوئی باغ بنوایا، اور اپنے مصارف کے لئے بھی محض چند گاؤں کو اپنے حصہ میں رکھا اور بقیہ سارے مصارف کو حکومت کے خزانہ میں شامل کردیا۔

(۸) انہوں نے تعلیم کی ترقی پر خصوصی توجہ دی، ہر شہر اور ہر قصبہ میں اساتذہ مقرر ہوئے، نہ صرف اساتذہ کے لئے وظائف مقرر کئے گئے اور جاگیریں دی گئیں؛ بلکہ طلبہ کے اخراجات اور مدد معاش کے لئے بھی حکومت کی طرف سے سہولتیں فراہم کی گئیں، کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیبؒ کے زیادہ تر فرامین تعلیم ہی سے متعلق ہیں، جن کو ان کے بعض تذکرہ نگاروں نے نقل بھی کیا ہے۔

(۹) اس زمانہ میں صنعت وحرفت کو آج کی طرح ترقی نہیں ہوئی تھی اور معیشت کا سب سے بڑا ذریعہ زراعت تھی، اورنگ زیبؒ نے زرعی ترقی پر خصوصی توجہ دی، کسانوں کی حوصلہ افزائی کی، جن کسانوں کے پاس کاشت کاری کے لئے پیسہ نہیں ہوتا، ان کو سرکاری خزانوں سے پیسہ فراہم کیا جاتا، حسب ضرورت کسانوں سے مال گذاری معاف کی گئی، جو زمینیں اُفتادہ تھیں اور ان میں کاشت نہیں کی جاتی تھی، ان کو ایسے کسانوں کے حوالہ کیا گیا، جو ان کو آباد کرنے کے لئے آمادہ تھے، اپنے عہدہ داروں کو ہدایت کی کہ کسانوں کو اتنا ہی لگان لگایا جائے، جتنا وہ بآسانی اور بخوشی ادا کرسکیں، اگر وہ نقد کے بجائے جنس دینا چاہیں تو قبول کرلیا جائے، انہوں نے کسانوں کے لئے کنواں کھدوانے، قدیم کنوؤں کو درست کرانے اور آب پاشی کے وسائل کو بہتر بنانے کو حکومت کی ایک ذمہ داری قرار دیا، انہوں نے زمین کے سروے کرنے پر خصوصی توجہ کی؛ تاکہ معلوم ہو کہ کون سی اراضی اُفتادہ ہیں اور اُن کو قابل کاشت بنانے کی کیا صورت ہے؟ انہوں نے اپنے فرمان میں لکھا ہے:

"بادشاہ کی سب سے بڑی خواہش اور آرزو یہ ہے کہ زراعت ترقی کرے، اس ملک کی زرعی پیداوار بڑھے، کاشت کار خوش حال ہوں اور عام رعایا کو فراغت نصیب ہو، جو خدا کی طرف سے امانت کے طور پر ایک بادشاہ کو سونپی گئی ہے۔"

زرعی پیداوار کی طرف اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور میں فتح ہونے والے بہت سے علاقے ایسے تھے، جہاں کے اخراجات وہاں کی آمدنی سے زیادہ تھے؛ لیکن پھر بھی کہیں غذائی اشیاء کی قلت محسوس نہیں کی گئی، اگر یہ صورت حال نہیں ہوتی تو اتنے طویل وعریض رقبہ پر پچاس سال تک اورنگ زیب حکومت نہیں کرپاتے اور وہ عوام کی بغاوت کے نتیجہ میں مملکت پارہ پارہ ہوجاتی۔

(۱۰) اورنگ زیبؒ کا ایک بڑا کارنامہ سماجی اصلاح بھی ہے، انہوں نے بھنگ کی کاشت پر پابندی لگائی، شراب وجوئے کی ممانعت کردی، قحبہ گری کو روکا اور فاحشہ عورتوں کو شادی کرنے پر مجبور کیا، لونڈی، غلام بنا کر رکھنے یا خواجہ سرا رکھنے پر پابندی لگائی۔

(۱۱) ہندو سماج میں عرصۂ دراز سے ستی کا طریقہ مروج تھا، جس کے تحت شوہر کے مرنے کے بعد بیوی شوہر کی چتا کے ساتھ نذر آتش کردی جاتی تھی، ہندو سماج میں اسے مذہبی عمل سمجھا جاتا تھا، مغلوں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا، غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے، اس لئے اورنگ زیبؒ نے قانونی طور پر اس کو بالکلیہ تو منع نہ کیا؛ لیکن اصلاح اور ذہن سازی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے عہدہ داروں کو ہدایت دی کہ وہ عورتوں کو اس رسم سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اپنی خواتین کے ذریعہ بھی ان کو اس کی دعوت دیں، نیز پابندی عائد کردی کہ علاقہ کے صوبہ دار کی اجازت کے بغیر ستی نہ کی جائے؛ تاکہ کسی عورت کو اس عمل پر اس کے میکہ یا سسرال والے یا سوسائٹی کے دوسرے لوگ مجبور نہ کرسکیں، اس طرح عملاً ستی کا رواج تقریباً ختم ہوگیا۔

غرض کہ اورنگ زیبؒ نے قدیم سڑکوں اور سرایوں کی مرمت، نئی سڑکوں اور مسافر خانوں کی تعمیر، تعلیمی اداروں اور عبادت گاہوں کو جاگیروں کے عطیہ وغیرہ کے جو رفاہی کام کئے، ان کے علاوہ مختلف دوسرے میدانوں میں جو خدمتیں انجام دی ہیں، وہ بھی آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں، ان کی رحم دلی، انصاف پروری اور عفو ودرگزر کا ان لوگوں نے بھی اعتراف کیا ہے، جو ان کو ایک خشک مزاج، ناروادار اور سخت گیر حکمراں قرار دیتے ہیں، انہوں نے ہمیشہ اپنے حریفوں کے ساتھ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سنی ہوں یا شیعہ، پٹھان ہوں یا مراٹھے وراجپوت، زیادہ سے زیادہ صلح اور درگزر کی پالیسی اختیار کی، خود شیواجی کو جس طرح انہوں نے بار بار معاف کیا اور اس کے بیٹے کو گلے لگایا، یہ اس کی بہترین مثال ہے، مگر افسوس کہ انگریزوں نے

ہندوستان کی دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی دیوار قائم کرنے کی جو منصوبہ بند کوشش کی، اس میں مغلوں کے دورِ حکومت کو عموماً اور آخری پُر شوکت مغل بادشاہ اورنگ زیبؒ (جس کو انگریز اپنے راستہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے) کے بارے میں خصوصاً بڑی غلط فہمیاں پھیلائیں اور بعض مصنفین نے ان کا آلہ کار بنتے ہوئے ایسی کتابیں تصنیف کیں، جن کو تاریخ اور واقعہ نگاری کے بجائے ناول نگاری اور افسانہ نویسی کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، انہوں نے ایسی بے بنیاد باتیں لکھ دیں جن کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں، اورنگ زیبؒ کو ایک ہندو دشمن حکمراں کی حیثیت سے پیش کیا گیا اور اس کے لئے اورنگ زیبؒ اور شیواجی کی جنگ کو بنیاد بنایا گیا؛ حالاں کہ یہ ایک سیاسی جنگ تھی نہ کہ مذہبی، اورنگ زیبؒ اور شیواجی کی جنگ میں اورنگ زیبؒ کا سب سے معتمد کمانڈر ایک راجپوت راجہ جے سنگھ تھا، اور بے شمار راجپوت اور مراٹھے سردار اورنگ زیب کے ساتھ تھے اور ان کی فوج میں بھی بڑی تعداد پٹھانوں، راجپوتوں اور شیواجی کے مخالف مراٹھوں کی تھی۔

اورنگ زیبؒ کے عہد میں جو غیر مسلم حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر رہے ہیں، ان میں کئی مرہٹے ہیں، جن میں شیواجی کے داماد اور بھتیجے بھی شامل ہیں، علامہ شبلیؒ نے ان کا نام بہ نام ذکر کیا ہے، جن کی تعداد ۲۶ ہے، خود شیواجی کو بھی اورنگ زیبؒ نے پنج ہزاری منصب عطا کیا تھا، جو بڑا منصب تھا، اور جس پر بادشاہ کے بعض شہزادے، قریبی رشتہ دار اور معتمد عہدہ دار فائز تھے؛ البتہ شیواجی ہفت ہزاری چاہتے تھے، مگر راجپوت اور پٹھان اعیانِ حکومت اس کے حق میں نہیں تھے۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ شیواجی جو مغلوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑا کرتے تھے، وہ گاؤں کے گاؤں لوٹ لیا کرتے تھے، قلعوں کو تاخت وتاراج کردیا کرتے تھے، یہ لوٹ مار ان کی مستقل حکمت عملی تھی، اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوئی تفریق نہیں ہوا کرتی تھی، سورت اس زمانہ میں جنوبی ہند کی سب سے بڑی منڈی تھی، جو بیرونی ممالک سے درآمد وبرآمد کا بہت بڑا ذریعہ تھا، یہاں غالب آبادی ہندوؤں کی تھی، شیواجی موقع بموقع وہاں ایسا حملہ کرتے تھے کہ پورا شہر ویران ہوجاتا تھا، کیا ہندو کیا مسلمان اور کیا ملکی اور کیا غیر ملکی؟ سب کے سب ان حملوں سے پناہ چاہتے تھے، ان حملوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوئی تفریق نہیں تھی؛ بلکہ تاجروں کی غالب تعداد ہندوؤں کی تھی، اس لئے ان کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا تھا، یہاں تک کہ شیواجی جن کو مراٹھوں کا نجات دہندہ سمجھا جاتا ہے، خود مراٹھوں کے خلاف بھی انہوں نے وہی کیا، جو ہر بادشاہ اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے کیا کرتا ہے، بیجاپور کے پہلے سلطان نے ایک مراٹھے خاندان کو ''جادلی'' کا علاقہ عطا کیا، جس نے ایک مضبوط ریاست بنائی اور یہ بتدریج کوکن کے پورے علاقہ پر قابض ہوگیا، اس خاندان کے راجا کا خاندانی لقب چندر راؤ تھا، شیواجی کا احساس تھا کہ جب تک چندر راؤ کا قتل نہ کیا جائے اور اس کی سلطنت پر قبضہ نہ ہوجائے، شیواجی جس وسیع سلطنت کا منصوبہ رکھتے ہیں، وہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، اس لئے اس نے دھوکہ دے کر اس مرہٹہ راجا کو قتل کیا، اس کے بھائی کو زخمی کیا اور اس کی سلطنت پر قابض ہوگئے، غرض کہ اورنگ زیبؒ اور شیواجی کی جنگ کوئی مذہبی جنگ نہیں تھی؛ بلکہ ایک سیاسی جنگ تھی، جو حکمرانوں کے درمیان ہمیشہ ہوتی رہی ہے، نہ اورنگ زیب نے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ جنگ لڑی ہے اور نہ شیواجی کا حملہ ہندوؤں کے وقار کی حفاظت کے لئے ہوا ہے۔

اورنگ زیبؒ پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا ہے اور مندر شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اورنگ زیبؒ کے عہد میں بعض مندر منہدم کئے گئے ہیں؛ لیکن اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس کا سبب کیا تھا؟ غیر جانب دار مؤرخین نے لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے انہیں مندروں کو منہدم کیا تھا، جو غیر قانونی طور پر بنائے گئے تھے، مثلاً اورچھا میں بیر سنگھ دیو کے بنائے ہوئے ایک مندر کو اورنگ زیب نے منہدم کرادیا؛ لیکن اس لئے کہ بیر سنگھ دیو نے اولاً تو ظالمانہ طور پر ابوالفضل کو قتل کیا اور پھر اسی کے سرمایہ سے وہ مندر بنایا، یہی وجہ ہے کہ جب وہ مندر منہدم کیا گیا تو وہاں کے راجہ دیوی سنگھ نے کوئی اعتراض نہیں کیا، یا اس نے ایسے مندروں کو گرایا، جہاں حکومتوں کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں، یا ایسے مندروں کو جہاں غیر اخلاقی حرکتیں کی جاتی تھیں، جیسے بنارس کا وشوناتھ مندر، ڈاکٹر بی، ایم، پانڈے نے اس کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے کہ اورنگ زیب جب بنگال جاتے ہوئے بنارس کے قریب سے گذرے تو اس کی فوج میں شامل ہندو راجاؤں اور کمانڈروں نے وہاں ایک دن قیام کی درخواست کی؛ تاکہ ان کی رانیاں گنگا اشنان کرسکیں اور وشوناتھ دیوتا کی پوجا کریں، اورنگ زیب راضی ہوگئے، انہوں نے فوج کے ذریعہ حفاظت کا پورا انتظام کیا، رانیاں اشنان سے فارغ ہوکر وشوناتھ مندر روانہ ہوئیں؛ لیکن جب مندروں سے رانیاں واپس ہوئیں تو اس میں بعض موجود نہیں تھیں، کافی تلاش کی گئی، مگر پتہ نہیں چل سکا، بالآخر تحقیق کاروں نے دیوار میں نصب گنیش کی مورتی کو ہلایا، جو اپنی جگہ سے ہلائی جاسکتی تھی تو نیچے سیڑھیاں نظر آئیں، یہ سیڑھیاں ایک تہ خانہ کی طرف جاتی تھیں، وہاں انہوں نے دیکھا کہ بعض

رانیوں کی عصمت ریزی کی جا چکی ہے اور وہ زار و قطار رو رہی ہیں؛ چناں چہ اورنگ زیب کی فوج میں شامل راجپوت کمانڈروں نے اس مندر کو منہدم کردینے کا مطالبہ کیا، اورنگ زیب نے حکم دیا کہ مورتی کو پورے احترام کے ساتھ دوسری جگہ منتقل کردیا جائے اور چوں کہ ایک مقدس مذہبی مقام کو ناپاک کیا گیا ہے؛ اس لئے اس کو منہدم کردیا جائے اور مہنت کو گرفتار کرکے سزا دی جائے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اکبر کے دور سے صورتِ حال یہ تھی کہ بہت سی مسجدوں کو منہدم کرکے بت خانے بنا دیئے جاتے تھے، ہندو مسلمان عورتوں سے جبراً نکاح کرتے تھے اور انھیں اپنے تصرف میں لاتے تھے، جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور میں بھی یہی صورتِ حال باقی رہی اور خود اورنگ زیب کی حکومت کے بارہویں سال تک یہی صورتِ حال تھی، ممکن ہے کہ بعض مندروں کے انہدام کا یہی پس منظر ہو، چناں چہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اورنگ زیب نے جہاں مندر منہدم کئے ہیں، وہیں مسجد بھی منہدم کروائی ہے، کہا جاتا ہے کہ سلطنت گولکنڈہ کے مشہور فرماں روا تانا شاہ نے سال ہا سال سے شہنشاہ دہلی کو شاہی محصول ادا نہیں کیا تھا، اس نے اپنی دولت کو چھپانے کے لئے ایک بڑا خزانہ زیر زمین دفن کرکے اس پر جامع مسجد گولکنڈہ تعمیر کرادی، اورنگ زیب کو کسی طرح اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس مسجد کو منہدم کرادیا، اور اس خزانہ کو رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کردیا۔

افسوس کہ فرقہ پرست، متعصب اور دروغ گو تذکرہ نگاروں نے اورنگ زیب کی اس سخاوت اور وسیع النظری کا تذکرہ نہیں کیا، جو ان کا اصل مزاج تھا۔

کاش! فرقہ پرست عناصر کبھی اس بات پر بھی غور کرتے کہ خود ہندوؤں نے کس طرح بودھوں کی خانقاہوں، جینوں کے مندروں اور مسلمانوں کی مسجدوں کو منہدم کیا ہے، خود شیواجی نے ستارہ، پارلی، اور زیر قبضہ آنے والے علاقوں میں مسجدوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ایلورا اور اجنتا میں بودھوں کو یہ کیوں کرنا پڑا کہ اپنی عظیم الشان خانقاہوں کو مٹی سے ڈھانپ دیں؛ تاکہ وہ ہندوؤں کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں، آج بھی جگن ناتھ مندر ہندوؤں کی زیادتی کا گواہ بن کر کھڑا ہے، جو دراصل بودھوں کا مندر تھا، اور جس پر زبردستی ہندوؤں نے قبضہ کرلیا، ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں ہزاروں مسجدیں شہید کردی گئیں، اندرا گاندھی کے دور میں سکھوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ گولڈن ٹمپل اور اکال تخت کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، گجرات کے ۲۰۰۲ء کے فساد میں کتنی ہی مسجدیں شہید کردی گئیں اور حکومت نے اس کی تعمیر نو کرنے سے انکار کردیا، کیا فرقہ پرست عناصر سچائی کی نشان دہی کرنے والے اس آئینہ میں بھی اپنا چہرہ دیکھنا گوارہ کریں گے؟

اورنگ زیب کے فردِ جرم میں اس بات کو بھی شامل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں پر جزیہ لگادیا تھا؛ لیکن اس بات پر غور نہیں کیا گیا کہ انہوں نے ۸۰ قسم کے ٹیکس معاف کردیئے، جن میں کئی ٹیکسوں کا تعلق ہندوؤں سے تھا اور جزیہ ان پر اس لئے عائد کیا گیا کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی تھی، اگر ہندوؤں سے بھی زکوٰۃ لی جاتی تو یہ ان کو ایک اسلامی عمل پر مجبور کرنا ہوتا، اور مذہبی آزادی کے تقاضے کے خلاف ہوتا، اس لئے اسلام نے غیر مسلم شہریوں پر الگ نام سے یہ ٹیکس مقرر کیا ہے اور اس کی مقدار نہایت قلیل ہے: فی کس بارہ درہم یعنی ۱۳ تولہ چاندی سے بھی کم، پھر شریعت کے حکم کے مطابق اورنگ زیب نے عورتوں، بچوں، مذہبی پیشواؤں، معذوروں اور غریبوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا اور جزیہ کے بدلہ غیر مسلم عوام کے تحفظ کی گارنٹی دی گئی۔

ان سب کے باوجود ہمیں یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اورنگ زیب کوئی عالم، مفتی اور صوفی نہ تھے بلکہ ایک سیاسی قائد اور حکمراں تھے، بھائیوں کا قتل ہو یا بعض سکھ رہنماؤں کا، مندروں کا انہدام ہو یا مسجدوں کا، یہ سیاسی مقاصد کے تحت تھے، یہ غلط ہوسکتے ہیں؛ لیکن اس کو مذہب کی جنگ قرار دینا اس سے زیادہ غلط ہے، اورنگ زیب سے متعلق جو الزامات ہیں، وہ علم و تحقیق کے بجائے غلط فہمی اور جذبات پر مبنی ہیں، جو لوگ اس معاملہ کی سچائی کو جاننا چاہیں اور غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنا چاہیں، انہیں علامہ شبلی نعمانیؒ کی ''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر''، سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ کی ''مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری'' (جلد سوم)، مولوی ذکاء اللہ کی ''اورنگ زیب عالمگیر'' اور مولانا نجیب اشرف ندوی کی ''مقدمہ رقعات عالمگیر'' کا مطالعہ کرنا چاہئے؛ لیکن اس وقت ایک بڑا کام یہ ہے کہ کچھ حقیقت پسند، غیر جانب دار لکھنے والے اٹھیں اور سندھ میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر برطانیہ سے ہندوستان کی آزادی تک کی تاریخ اس طور پر لکھیں، جو فرقہ دارانہ تاثرات سے خالی ہو، جس میں ہر طبقہ کی خدمات کا اعتراف کیا جائے، جس میں بادشاہوں اور راجاؤں کی جنگ کو ایک سیاسی جنگ کی نظر سے دیکھا جائے نہ کہ مذہبی جنگ کی حیثیت سے، جس میں مسلمانوں کے درمیان باہمی رواداری اور اخوت و بھائی چارہ کو نمایاں کیا جائے، جو محبت کی خوش بو بکھیرے نہ کہ نفرت کا تعفن، یہ ایک ضروری کام ہے، جس کی طرف تحقیقاتی اکیڈمیوں، تعلیمی اداروں، ملی تنظیموں، قومی اداروں اور باصلاحیت اور منصف مزاج دانشوروں کو توجہ دینی چاہئے۔

☆☆..................☆☆

تبلیغی جماعت

کیا صرف کلمہ نماز کی ایک تحریک ہے؟

مولانا سید محمد زین العابدین

آج تک ایک عام خیال یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کلمہ، نماز کی ایک تحریک ہے، جس کا دائرہ گشت، تعلیم، تشکیل اور جوڑ واجتماعات کے گرد گھوم کر ختم ہوجاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، خود مجدد تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اس بات کی تردید کرتے رہے، ابھی چند ایام قبل ہم رائے ونڈ تبلیغی مرکز میں پرانوں کے جوڑ میں شریک ہوئے، وہاں ایک بہت ہی باصلاحیت بزرگ جناب ڈاکٹر سلیم صاحب گفتگو کررہے تھے، اس حوالہ سے ان کی کچھ باتیں میں یہاں عرض کرنا چاہ رہا ہوں:

”دعوت وتبلیغ کا کام یہ ہے کہ ہر امتی اپنی دنیوی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ دینی اعمال میں اس طرح لگے کہ اعمال میں اس کی مشغولیت بڑھتی جائے، پھر اس سلسلہ میں اس پر غور کیا جائے کہ ہمارے دین واحکامات شریعت میں بگاڑ کا سبب کیا ہے؟ مثلاً: ہمارے ہاں شور ہوتا ہے کہ نصاب تعلیم بدلا جارہا ہے اس میں سے قرآنی آیات واحادیث اور دینی امور نکالے جارہے ہیں، تو بھائی ہم اس پر غور کریں کہ تعلیمی نصاب بنانے والے لوگ کون ہیں؟ ہم ان کے پاس جائیں اور ان سے ملاقاتیں کریں اور موقع محل کی مناسبت سے ان پر محنت کریں اور ان کو دعوت دیں، اب جب این ای ڈی یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی کی پالیسیاں بنانے والے دین سے جڑ جائیں گے تو ان شاء اللہ نصاب تعلیم میں خلاف اسلام ہونے والی سرگرمیاں بھی رک جائیں گی!

اسی طرح سے سندھ سیکریٹریٹ (Secretariat Sindh) آپ کا پورا صوبہ سندھ ڈیل کرتا ہے، آپ وہاں جائیں اور وہاں کے ذمہ داران واعلیٰ افسران پر محنت کریں ان کے دین پر آنے سے بہت سے حکومتی مسائل ازخود حل ہوجائیں گے!

اسی طرح آپ صحافی حضرات پر محنت کریں جن کی پہنچ مختلف ذرائع سے پوری دنیا میں ہے تو جب وہ دین کو اپنائیں گے تو خود دین ہی کی دعوت اور پیغام کو آگے بڑھائیں گے، اسی طرح اور مختلف بڑے بڑے ادارے ہیں جب ان کے ارباب حل وعقد کو دین پر لایا جائے گا تو آپ بتلایئے ملک کا نظام خود بخود درست ہوجائے گا یا نہیں!

پھر اس کے بعد سماجی سطح پر آپ دیکھیں کہ دعوت وتبلیغ کا کام آپ کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ آپ اپنے پڑوسیوں، اپنے رشتہ داروں اور محلّہ دار بزرگوں کی خدمت کے لئے بھی وقت نکالیں، بیماروں کی عیادت کریں، جنازوں اور تدفین وغیرہ میں شرکت کریں۔

پھر اس بات پر بھی غور کی ضرورت ہے کہ ہمارے ہاں مسائل پیدا ہوتے ہیں تو اس کے حل کے لئے وسائل مہیا کئے جاتے ہیں مگر کچھ ہی وقت کے بعد وہ وسائل بھی ناکافی ہوجاتے ہیں، اب مثلاً: کسی جگہ ٹریفک جام ہوتا ہے، اس جگہ ایک پل بنادیا جاتا ہے مگر کچھ ہی سالوں بعد اس پل پر بھی ٹریفک جام ہونے لگتا ہے، نتیجہ صفر، بھائی ان تمام مسائل کا حل ہماری زندگیوں میں ڈسپلن پیدا ہونا ہے جب ڈسپلن پیدا ہوگا تو ہر آدمی اپنے بھائی کو گاڑی نکالنے کے لئے جگہ دے گا اور ڈسپلن پیدا ہوگا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت سے، جب زندگیوں میں ڈسپلن پیدا ہوگا تو صبر وبرداشت کا مادہ بھی آئے گا، آپ اپنے مسلمان بھائی کے لئے اپنا حق چھوڑنے کے لئے بھی تیار ہوں گے۔“

اردو رسم الخط کے حوالہ سے ایک بات یہ فرمائی کہ ”جس قوم کی بلندی کو زوال پر لانا ہو اور اس کے تابندہ ماضی سے اس قوم کا رشتہ توڑنا ہو تو اس قوم کا رسم الخط بدل دو، ہمارا تعلق عربیت کے ساتھ ہے، اس لئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی ہے، قرآن وحدیث عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے!

تو مسلمان کے سیکھنے کی اصل زبان عربی ہے، پھر اس کے بعد دنیا کی تقریباً دس کے قریب زبانیں ایسی تھیں جو عربی کے قریب تر تھیں لیکن غیروں نے ان اقوام کا رسم الخط بدل ڈالا، نتیجہ یہ ہے کہ وہ مسلمان قومیں آج قرآن کریم کے سیکھنے سے بھی قاصر ہوگئیں اسی طرح اردو زبان بنسبت اور زبانوں کے عربی کے قریب تر ہے، اور پھر اب چونکہ موجودہ دور میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرآن وحدیث کے علوم کا بڑا ذخیرہ اردو میں منتقل ہوچکا، اس لئے دینی اسلامی اردو لٹریچر بھی اہمیت کا حامل ہے، میں ذمہ داری سے یہ بات کہتا ہوں کہ کسی بچہ کو آپ ابتدا سے انگریزی بولنا،

لکھنا سکھائیں اس کو اردو بالکل نہ سکھائیں اس کے لئے قرآن کریم کا سیکھنا مشکل تر ہوجائے گا۔

اور آج ہمارا حال یہ ہے ہم انگریزی سے مرعوبیت کی بنا پر اردو کو بھی رومن انگریزی میں لکھنے لگے، بھائی اپنے رسم الخط اردو کی حفاظت کرو، انگریزی سیکھنے کی ممانعت نہیں ہے لیکن اردو کا حلیہ نہ بگاڑو!"

دورِ حاضر میں نوجوان نسل کا سب سے بڑا مسئلہ نکاح کا مشکل تر ہونا ہے، اس سلسلہ میں جناب ڈاکٹر سلیم صاحب نے فرمایا کہ: "دعوت و تبلیغ کا کام ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ ہم نکاح کو آسان کریں، اس سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے صحیح لکھا ہے کہ: اس وقت سماج کے مہذب لوگوں کے درمیان انسانی تجارت کی ایک صورت رائج ہے، جس میں ہم اپنے بیٹوں کو آپ فروخت کرتے ہیں اور فروخت کرتے ہوئے ہماری آنکھوں میں حسرت و افسوس کے آنسو نہیں؛ بلکہ خوشی کے آنسو ہوتے ہیں، دل حسرت و یاس کی تپش سے ابلتا نہیں؛ بلکہ حسین آرزوؤں کے تصور سے اچھلتا اور کودتا ہے، یہ عجب منڈی ہے جہاں پڑھے لکھے، اہل دانش، اصحاب ثروت، اعلیٰ عہدوں پر فائز خوشی خوشی اپنے لڑکوں کا سودا لے کر آتے ہیں اور اس کی تعلیم، معاشی امکانات، خاندانی پس منظر، یہاں تک کہ شکل و صورت اور آباء واجداد کی شرافت کی دہائی دے کر ڈاک لگاتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت کے خواست گار ہوتے ہیں، انہیں اپنے بیٹوں کو فروخت کرنے اور ان کی جوانی کی قیمت لگانے میں نہ کوئی شرم ہوتی ہے، نہ کوئی عار!

آپ سوچیں گے یہ کون سی منڈی ہے؟ کیا کوئی ماں باپ اپنے بیٹوں کو بیچ بھی سکتا ہے، کہیں انسانوں کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے، کیا عہد غلامی پھر واپس آگیا ہے؟

لیکن آپ کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے، ہمارا پورا سماج انسانی تجارت کا مرکز بنا ہوا ہے، ہر گھر میں ایک دکان ہے، اور ہر خاندان میں کچھ تاجر اور کچھ گاہک ہیں— کیا لڑکی والوں سے گھوڑے، جوڑے کے نام پر رقم وصول کرنا، ان سے جہیز کا مطالبہ کرنا، اپنے مدعوین کو ان کے سر تھوپ دینا اور ان سے منہ مانگا کھانا طلب کرنا، تجارت اور اپنے لڑکے کی قیمت لگانا نہیں ہے؟ قیمت روپیوں میں بھی ادا کی جاتی ہے، سامان و اسباب کے ذریعہ بھی اور ہوٹلوں میں شکم پروری کے ذریعہ بھی، یہ سب قیمت کے مختلف عنوان اور الگ الگ انداز ہیں، لڑکا اور اس کے والدین ان تمام طریقوں سے لڑکے کی قیمت وصول کرتے ہیں اور اس کی جوانی کا منہ مانگا دام پاتے ہیں، اس کے تجارت ہونے میں کیا شبہ ہے؟!

اسلام میں مرد کو عورت پر جو فضیلت و برتری دی گئی ہے وہ اس وجہ سے کہ وہی مالی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتا ہے؛ اسی لئے کسب معاش کی ذمہ داری مرد سے متعلق کی گئی، دعوت ولیمہ اس کی ذمہ داری ہے، پھر نکاح کے بابت لڑکی کی تمام ضروریات اس سے متعلق ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی ان مالی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے اور الٹے لڑکی اور اس کے اولیاء سے اپنی قیمت وصولتا ہے، تو یہ نہایت ہی شرم ناک بات ہے، یہ ایک چبھتا ہوا ناگوار خاطر؛ لیکن برحقیقت سوال ہے اور جن لوگوں نے اپنی اور اپنے بچوں کی قیمت لگا رکھی ہے، انہیں کبھی تنہائی میں اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہئے، حقیقتیں تلخ ہوتی ہیں؛ لیکن دانا وہی ہوتا ہے جو حقیقت کے تلخ گھونٹ کو اپنے حلق سے اتار لے!

افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ بعض لوگ لڑکیوں کی شادی کے وقت تو شریعت کی دہائی دیتے ہیں؛ لیکن لڑکوں کی شادی کے وقت شریعت کو بھول جاتے ہیں؛ بلکہ شریعت کا ذکر بھی گراں خاطر ہوتا ہے، گویا شریعت پر عمل کرنا مقصود نہیں ہے۔

اگر نکاح کی تقریب مسجدوں، دینی جلسوں اور مذہبی اجتماعات میں رکھی جائے، علماء اور اہل دین سے نکاح کے خطبات پڑھوائے جائیں، مجلس نکاح میں ایمان افروز اور روح پرور بیان رکھے جائیں؛ لیکن اندرونی طور پر سودہ بازی بھی کی جائے اور چھپے ہاتھوں لین دین کا معاملہ بھی طے کیا جائے، تو یہ تو نفاق اور گناہ پر ظاہری نیکی کا دبیز غلاف چڑھانا اور دین کے پردہ میں بے دینی کو چھپانا ہے، جو یقیناً کھلی ہوئی بے دینی سے بھی زیادہ مذموم اور ناپسندیدہ ہے، اس لئے نکاح کو آسان کرنے کی ضرورت ہے، بے جا شرائط کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔"

آج ہمارے ہاں ایک بڑا مسئلہ ڈاکٹرز حضرات کا ہے کہ کلینک پر آنے کا جو وقت مقرر کر کے لکھا ہے، ہمیشہ اس سے آدھے ایک گھنٹہ بعد تشریف لاکر مریضوں کی اذیت میں اضافہ کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ڈاکٹر سلیم صاحب نے بہت ہی پیاری بات ارشاد فرمائی کہ: "مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے پوچھا کہ میں نے کلینک پر آٹھ بجے کا وقت لکھا ہے، لیکن خصوصی نشستوں اور ملاقاتوں (جو خالصتاً دینی مصروفیت ہے) کی وجہ سے کبھی کبھی ساڑھے آٹھ بجے کلینک پہنچنا ہوتا ہے تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ: مریضوں کو انتظار کی تکلیف دینے کا گناہ ہوگا، یا تو وقت پر پہنچیں یا وقت بدلیں۔"

یہ اور اس طرح کے کئی سماجی مسائل پر جناب ڈاکٹر سلیم صاحب نے عمدہ گفتگو فرمائی، اب آپ بتلایئے کہ کیا اب بھی تبلیغی جماعت صرف کلمہ، نماز اور گشت تعلیم واجتماع تک ہی محدود ہے، یا ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔۔۔؟! ☆☆

ہم پہلے اپنا جائزہ لیں!

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمانوں کی آبادی اب دنیا کے تقریباً ہر ملک میں پائی جاتی ہے اور وہ ملک جن میں وہ اکثریت میں ہیں ایک معتدبہ تعداد رکھتے ہیں، یہ تعداد ایسی ہے کہ بین الاقوامی سیاست اور دیگر معاملات میں نظر انداز نہیں کی جاسکتی، مسلمانوں کے یہ ملک اقتصادی لحاظ سے بھی مضبوط ہیں ان میں سے متعدد ملک اپنے معدنی ذخائر کے لحاظ سے دنیا کے اولین ملکوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے بعض بعض ذخائر ایسے ہیں کہ دنیا کے انتہائی بڑے ملک اپنے کو ان کا محتاج محسوس کرتے ہیں، مسلمان اگر امت واحدہ کے طور پر کام کریں تو دنیا کی بین الاقوامی سیاست اور رائے عامہ ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوسکتی، ان کی رعایت کے بغیر دنیا کا کوئی کام انجام نہیں پاسکتا۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دین عطا کیا گیا ہے، وہ تمام انسانیت کی فلاح اور صلاح کا ضامن ہے وہ نہ صرف خود مسلمانوں کی عزت وقوت کا باعث ہے بلکہ ساری دنیا کی عزت وقوت کا سرچشمہ یہ دین بن سکتا ہے، لیکن اس امر کی طرف توجہ تمام دنیا کو کیا خود مسلمانوں کو بھی نہیں ہے، وہ نہ اپنے دین کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نہ بحیثیت ایک بین الاقوامی اور عظیم تر ملت ہونے کے اپنی طاقت کو سمجھتے ہیں، وہ اپنے دین کی اس اہمیت اور اپنی عظیم طاقت سے فائدہ اٹھانے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے اور اس کے لئے جو سود مند طریقہ ہے اس کو اختیار نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی اہمیت سے واقف نہیں کراتے، یہ وقت کا اہم تقاضا ہے کہ وہ خود بھی اس سے صحیح فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی اس کی اہمیت و افادیت سے واقف کرائیں، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت دعوت بنایا گیا ہے، ان کی افادیت اس پانی کی طرح ہے جس سے انسانوں کی پیاس بجھتی ہے اور خشک کھیتیاں سیراب ہوکر سرسبز و شاداب ہوتی ہیں لیکن اس وقت مسلمان خود اپنی پیاس نہیں بجھا پا رہے ہیں اور خود اپنی کھیتیوں کو سرسبز و شاداب نہیں بنا پا رہے ہیں، اس وقت دنیا کے ملکوں میں کم ایسے ملک ہوں گے جہاں مسلمانوں پر بحیثیت زمین زمین تنگ نہ ہو، ان کو بے بسی اور لاچارگی کا سامنا نہ ہو، ان کا حال یہ ہوگیا ہے کہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں ان کو سیاسی اور اقتصادی دشواریوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں ان کو اپنے دین پر صحیح طور پر عمل کرنے اور اس کو نافذ کرنے میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آرہی ہیں۔

یہ صورت حال اگر مسلمان ایک کمزور، بے قیمت اور وسائل زندگی سے محروم قوم ہوتے تو سمجھ میں آسکتی تھی یا ان کی تعداد بہت کم ہوتی تو سمجھ میں آسکتی تھی، لیکن ان کے موجودہ حجم کی صورت میں کہ دنیا کی پانچ ارب آبادی میں وہ ایک ارب سے زیادہ ہیں۔ دنیا کے سیاسی طور پر ڈیڑھ سو تسلیم شدہ ملکوں میں ایک تہائی کے قریب ہیں، متحدہ اقوام میں وہ جس رائے کی طرف ہوجائیں اس رائے کا ناکام ہونا ممکن نہیں وہ دنیا کے ملکوں کی برادری میں کوئی ایک موقف اپنائیں تو ان کے موقف کو گرایا نہیں جاسکتا وہ اپنی زمینی دولتوں کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کریں تو دنیا کے بڑے بڑے ملک ان کے قدموں پر گر جائیں گے، وہ متحد ہوکر اپنی سیاست بنائیں تو دنیا میں کوئی بڑا فیصلہ ان کے رائے معلوم کیے بغیر نہ ہوسکے گا۔

لیکن ہو کیا رہا ہے؟ مسلمانوں کی ان تمام طاقتوں اور صلاحیتوں کے باوجود ان کے برعکس حالات میں جو چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی آپس میں کئی ٹکڑیوں میں بٹا ہوا ہے اور ایسی عداوت کہ دشمن سے بھی نہ ہوگی، بھائی بھائی سے جدا ہے بلکہ اس کو گرانے اور شکست دینے کی خاطر دشمن سے بھی مدد لے لیتا ہو، اسلام کی عزت، ملت کی عزت اور ادارہ کی عزت کے بجائے صرف اپنی عزت کی فکر میں لگا ہوا ہے، وہ اپنی عزت کے لئے خواہ وہ صرف دکھاوے کی اور جھوٹی عزت ہو اپنے خاندان کی اپنی ملت کی عزت کو برباد کرسکتا ہے، افراد سے لے کر اداروں، حکومتوں اور بین الاقوامی برادری تک بھی مسلمانوں کا یہ طرز عمل نظر آرہا ہے، ایسی صورت میں اس قوم کی ترقی و کامیابی کی اچھی توقعات کہاں قائم کی جاسکتی ہیں، لیکن اس سب کے باوجود اس عظیم دین کے تابعداروں کے لئے مایوسی کی بات نہیں ہے، اس میں امید کی کرن ان اسلامی تعلیمات میں ہے جو ہم کو قرآن کریم و حدیث سے ملتی ہیں۔ ان کو اگر ہم اپنا سکیں تو ہم اپنی تمام کمزوریوں کو دور کرسکتے ہیں اور مسلمانوں کی تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے کہ امت اتنی گر گئی کہ اس کا اٹھنا دشوار محسوس ہونے لگا، اتنے میں خدا کا ایک بندہ اٹھا اور اس نے اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے ہوئے اصلاح کی جدوجہد کی اور وہ جدوجہد کامیاب ہوئی، اسی لئے یہ امت اتار چڑھاؤ سے تو گزری لیکن ختم یا تباہ نہ ہوئی۔

آج ضرورت ہے کہ ہم غور کریں کہ ہم اپنی ان کمزوریوں کو کیسے دور کرسکتے ہیں، جو ہم کو تباہی و بربادی میں ڈالے ہوئے ہیں، ہم کو چاہئے کہ ہم ان کمزوریوں کی اصلاح کی فکر کی طرف جلد ہی توجہ کریں، باہر کے دشمن سے لڑنے سے قبل ہم کو اپنے اندر کے دشمن سے لڑنا ہوگا، بخار میں مبتلا آدمی کو پہلے اپنے بخار کو دور کرنے کی فکر کرنا چاہئے تاکہ وہ صحت کے ساتھ طاقت آزمائی میں مضبوط ثابت ہوسکے، ہماری طاقت وعظمت کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ:

''وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (المائدہ:۲)

ترجمہ:''نیکی کے کام میں اور تقویٰ و احتیاط کے سلسلہ میں آپس میں تعاون کرو، معصیت کے کام اور دوسرے پر زیادتی کے سلسلہ میں تعاون نہ کرو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ:

''لاتباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تقاطعوا وکونوا عباداللہ اخوانا۔''

ترجمہ:''آپس میں غصہ نہ کرو اور نہ آپس میں حسد کرو اور نہ سازش کرو اور نہ آپس میں مقاطعہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔''

ہم تنہا ان دو نصیحتوں کو اپنے سامنے رکھیں اور اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالیں تو ہماری وحدت مضبوط دیوار کی طرح بن سکتی ہے، ہماری طاقت ناقابل شکست چٹان بن سکتی ہے، ہمارا معاشرہ شاندار سیرت وکردار کا معاشرہ بن سکتا ہے کہ جس کو دیکھ کر ہمارے دشمن رشک کریں اور صرف رشک ہی نہیں بلکہ اس کی طرف مائل ہونے اور اس کی نقل کرنے کی طرف لپک کر بڑھیں اور ہماری راہنمائی اور سرپرستی میں اپنے کو دے دینے کے خواہش مند ہوں، کیا ایسا ہمارے ماضی میں نہیں ہوا؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کے عرصہ میں جو معاشرہ تربیت دے کر تیار کیا تھا، اس معاشرہ نے دنیا کے ایک بڑے حصہ کو اپنا گرویدہ اور نیاز مند نہیں بنالیا؟ حالانکہ ان کی مادی طاقت اپنے دشمنوں کی مادی طاقت سے کم تھی، ان کی تعداد ان کے دشمنوں کی تعداد سے کم تھی، ان کے وسائل و سامان زندگی اپنے دشمنوں کے وسائل اور سامان زندگی سے کم تھے، لیکن ان کے پاس ایمان کی طاقت تھی، بے غرضی اور اخلاص کی طاقت تھی، اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینے اور خواہش نفس پر غالب رہنے کی طاقت تھی اور آج ہمارے پاس یہ طاقتیں موجود نہیں، ہم خدا کے حکم اور ملت کے مفاد کے لئے اپنی اندرونی خواہش وجذبہ کو بھی قربان نہیں کرسکتے۔ ہمارے کسی معمولی ذاتی مفاد کا نقصان ہو یا اپنی جھوٹی عزت کے کسی جزو کو دھچکا پہنچتا ہو تو ہم شریف سے شریف آدمی کو ذلیل کرکے رکھ دیں، ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کردیں، خدا و رسول کے اہم سے اہم حکم کو پامال کردیں، ایسی صورت میں نتیجہ معلوم ہے کہ پہلے ملت کی تباہی پھر اس کے افراد کی بربادی اور ذلت، آج افسوس کی یہی بات ہے کہ امت اسلامیہ بین الاقوامی، پھر بین الملکی، پھر من حیث الجماعت پھر من حیث الفرد، اسی ذلت ونکبت میں مبتلا نظر آرہی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان آج کے حال پر منطبق ہورہا ہے کہ:''انتم غثاء کغثاء السیل''... تم تعداد کی زیادتی کے باوجود سیلاب کے لائے ہوئے جھاگ کی طرح ہوگے... یعنی دیکھنے میں بہت لیکن حقیقت و افادیت میں کچھ نہیں۔☆☆☆

قادیانی فیمیل ٹیچر کی اسکول میں جاری قادیانیت کی تبلیغ پر ایکشن لے کر برطرف کیا جائے

حیدر آباد... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنماؤں کا ایک اہم اجلاس دفتر ختم نبوت میں منعقد ہوا۔ جس میں قادیانی ٹیچر صباحت الصباح اور غلام قادر دسان (آفیسر ڈسٹرکٹ ایجوکیشن پرائمری حیدرآباد) کی رویے پر شدید تحفظات کا اظہار کیا گیا، ختم نبوت کے مبلغ مولانا توصیف احمد نے شرکاء اجلاس کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا کہ مرشد آباد، سائٹ ایریا، فرنیچر کالونی، گورنمنٹ گرلز پرائمری اسکول میں تا حال عرصہ دراز سے قادیانی ٹیچر تعینات ہے، جو دیگر مضامین کے ساتھ اسلامیات کی تعلیم دی رہی ہے، جبکہ قادیانی غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اسلامیات کی تعلیم دینے کا حق نہیں رکھتے، اس ٹیچر نے طالبات کے ساتھ ناروا سلوک بھی رکھا ہے، بچیوں کے والدین کی شکایت پر افسران بالا نے رپورٹ بھی طلب کی جس پر سپر وائزر تعلقہ لطیف آباد اور آفیسر تعلقہ ایجوکیشن پرائمری فیمیل لطیف آباد نے آفیسر ڈسٹرکٹ ایجوکیشن پرائمری حیدرآباد غلام قادر دسان کو انکوائری کرنے کے بعد رپورٹ پیش کی، جس میں کہا گیا کہ قادیانی ٹیچر کی شکایات کئی بار آچکی ہیں، اس کا رویہ اسکول میں ٹیچرز، اسٹاف، بچیوں اور اس کے والدین کے ساتھ بہتر نہیں ہے، اسی رپورٹ کی بنیاد پر ڈائریکٹر اسکول ایجوکیشن پرائمری حیدرآباد نے DEO (P) غلام قادر دسان کو ایکشن لینے کا آڈر دیا، اور دو ہفتہ قبل تعلقہ ایجوکیشن فیمیل لطیف آباد نے صباحت الصباح کا ٹرانسفر پرپوزل بھی بنا کر بھیجا ہے، لیکن اس پر تا حال عملدرآمد نہیں ہوا، جبکہ اس حوالہ سے ایک وفد نے DEO (P) حیدرآباد غلام قادر دسان سے ملاقات بھی کی اور میں نے صورتحال معلوم کرنے کے لئے ان کے نمبر پر رابطہ بھی کیا مگر انہوں نے کال کاٹ دی اور وفد سے بھی غیر اخلاقی طور پر پیش آئے۔ راہنماؤں نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ غلام قادر دسان، قادیانی ٹیچر کی طرف داری نہ کریں۔ تعلیمی اداروں کو بیرونی پریشر اور قادیانی دخل اندازی سے محفوظ کیا جائے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حیدرآباد کے امیر مولانا عبدالسلام قریشی، مولانا سیف الرحمن، مولانا ضیاء الرحمن طاہر، مولانا عبداللہ، مولانا سراج الحق، مولانا عبدالولی ودیگر علماء کرام نے مطالبہ کیا کہ قادیانی ٹیچر کی اسکول میں جاری قادیانیت کی تبلیغ پر ایکشن لے کر اس کا تبادلہ کیا جائے تاکہ علاقائی امن خراب نہ ہو۔

خبروں پر ایک نظر

مبلغین ختم نبوت ضلع جھنگ کے دورے پر!

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

جھنگ ...... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغین مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا غلام حسین، مولانا خبیب احمد مبلغ ٹوبہ ٹیک سنگھ نے ۱۵ر ستمبر کے جمعۃ المبارک کا خطبہ شورکوٹ میں دیا۔

مبلغین شورکوٹ کے قدیمی ادارہ جامعہ عثمانیہ میں گیارہ بجے تشریف لے آئے۔ جہاں مقامی راہنماؤں مولانا زاہد انور، حافظ محمد علی، رانا اشفاق احمد سے ملاقات کی۔ مقامی راہنماؤں نے مرکزی مبلغین کی شورکوٹ میں تشریف آوری کا خیر مقدم کیا۔ مبلغین کو مقامی رفقاء نے بتایا کہ ۱۹، ۲۰ر اکتوبر کو چناب نگر میں منعقد ہونے والی سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں رفقاء بھرپور طریقہ سے شرکت کریں گے۔ رانا اشفاق احمد نے بتلایا کہ آج کے خطبات جمعہ کے علاوہ بھی ہم نے دوسرے مبلغین کے پروگرام بھی ترتیب دیئے ہیں، چنانچہ ۲۲ر ستمبر جمعۃ المبارک کا خطبہ مناظر ختم نبوت مولانا راشد مدنی رحیم یار خان جامع مسجد صدیقیہ نزد گرلز کالج میں، ۲۹ر ستمبر کا خطبہ جمعہ مولانا خبیب احمد مبلغ ٹوبہ، شورکوٹ سٹی کی معروف دینی درسگاہ جامعہ عثمانیہ میں، ۶ر اکتوبر کا جمعۃ المبارک کا خطبہ مولانا غلام رسول دین پوری شیخ الحدیث جامعہ ختم نبوت چناب نگر جبکہ ۱۳ر اکتوبر کا خطبہ مولانا عزیز الرحمن ثانی لاہور جامع مسجد عائشہ صدیقیہ میں دیں گے۔ ان خطبات میں جہاں قادیانی عقائد و عزائم کا تعاقب کیا جائے گا، وہاں کانفرنس میں شرکت کے لئے ترغیب دی جائے گی۔ ۱۵ر ستمبر جمعۃ المبارک کا خطبہ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے جامع مسجد بیت الذکر میں دیا۔ جامع مسجد بیت الذکر کے بانی مولانا مفتی محمد حسن مدظلہ ہیں۔ مفتی صاحب مذکور امام الزاہدین مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ اٹک کے خلیفہ مجاز ہیں۔ انہوں نے ہاؤسنگ کالونی شورکوٹ سٹی میں جامع مسجد بیت الذکر کے نام سے خوبصورت مسجد تعمیر کی۔ جامع مسجد صدیقیہ چمن روڈ شورکوٹ شہر میں ضلع جھنگ کے مبلغ مولانا غلام حسین مدظلہ نے اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مبلغ مولانا خبیب احمد سلمہ نے گکی نو کی جامع مسجد میں جمعۃ المبارک کے خطبات دیئے۔

خطبات جمعہ کا انتظام مفتی طلحہ زبیر، مولانا محمد زاہد انور، حافظ محمد علی اور رانا اشفاق احمد نے کیا۔ جمعۃ المبارک سے فراغت کے بعد شورکوٹ کینٹ میں مبلغین نے ڈاکٹر شفیق احمد صدیقی سے ملاقات کی اور جماعتی امور میں مشاورت کی۔ مغرب کی نماز کے بعد مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے جامع مسجد بلال غلہ منڈی ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کے تاریخی فیصلہ کے متعلق درس دیا۔

جامع مسجد تقویٰ جھنگ سٹی: مرشد الاحرار مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ صوفی شیر محمد نے جھنگ سٹی میں وسیع و عریض مسجد تعمیر کرائی، اس وقت مسجد کا انتظام و انصرام حافظ بشیر احمد مدظلہ چلا رہے ہیں۔ موصوف کی دعوت پر ۱۵ر ستمبر بعد نماز عشاء، جامع مسجد تقویٰ میں درس قرآن و حدیث کی تقریب منعقد ہوئی۔ مولانا غلام حسین اور مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے خطاب کیا۔ رات کا آرام و قیام مولانا غلام حسین کے پاس جھنگ صدر میں رہا۔

اُچ گل امام میں جلسہ: لدھیانی اُچ گل امام کی مسجد میں ۲۱ر ستمبر بعد نماز عشاء جلسہ منعقد ہوا، جس کی صدارت ہمارے حضرت بہلویؒ کے مسترشد، حضرت مولانا عبدالحئی بہلویؒ نقشبندی کے مرید، ہمارے مخدوم زادہ حضرت مولانا عبیداللہ ازہر مدظلہ کے خلیفہ مجاز مولانا قاری محمد ریاض لغاری نے کی جلسہ کے مہمان خصوصی ۱۸ ہزاری کے مولانا علامہ حبیب الرحمن تھے۔ جلسہ سے مولانا غلام حسین اور محمد اسماعیل شجاع آبادی نے خطاب کیا۔ قاری ریاض احمد لغاری مدظلہ کے مریدین کا ہر ماہ اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں ذاکرین خداوندی ذوق وشوق سے شرکت فرماتے ہیں۔ مقررین نے صوفیاء کرام کی تحریک ختم نبوت میں خدمات کے عنوان سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ تحریک ختم نبوت میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، مشائخ دیوبند، حضرت دین پوریؒ، حضرت لاہوریؒ، حضرت رائے پوریؒ، مولانا محمد عبدالکریم قریشیؒ بیر شریف سندھ، حضرت شاہ تاج محمد امروٹیؒ، حضرت ہالیجویؒ، حضرت درخواستیؒ، حضرت بہلویؒ اور دیگر مشائخ کی عظیم الشان خدمات پر روشنی ڈالی۔

روڈوسلطان میں خطبہ جمعہ: روڈوسلطان میں ہمارے حضرت بہلویؒ کے خدام کثرت کے ساتھ

رہائش پذیر ہیں۔ حضرت مولانا دوست محمد شہید، مولانا عبداللطیف خان حضرت بہلویؒ کے مسترشدین میں سے تھے۔ اس وقت خانقاہ بہلویہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا عبیداللہ انزہر مدظلہ کی روڈو سلطان میں بکثرت آمد و رفت رہتی ہے۔ محمد اسماعیل شجاع آبادی نے جامع مسجد ذوالنورین میں جمعۃ المبارک کا خطبہ دیا، جبکہ مولانا غلام حسین مدظلہ نے جامع مسجد جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرمایا۔

مبلغین نے یکم محرم الحرام سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حوالہ سے خطاب کیا اور بتلایا کہ اگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہونا ہوتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی ہوتے۔ ”لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔“ جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نبی نہیں بن سکے تو مرزا قادیانی کیسے نبی ہوسکتا ہے؟ انہوں نے عاشورا کے دن روزہ رکھنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ ۱۱ر محرم الحرام یا ۹ر محرم الحرام کو ساتھ ملالیا جائے۔

مولانا قاسم سیوطی کے پروگراموں میں شرکت

مولانا محمد قاسم سیوطی متحرک نوجوان ہیں، منڈی بہاؤالدین اور گجرات دو اضلاع سنبھالے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ۱۷، ۱۸ر ستمبر دو دن راقم کے اپنے حلقے میں رکھے۔ چنانچہ ۱۷ر ستمبر جھاوریاں سے صبح کی نماز کے بعد ”رکن“ پہنچے۔ جہاں جامعہ رحمانیہ بنین و بنات میں راقم کا بیان رکھا۔ جامعہ رحمانیہ کے مہتمم مولانا سیّد عبدالشکور ہیں۔ طلبا و طالبات کے علاوہ جماعتی رفقاء نے شرکت کی۔

پاہووال: صوفی محمد امیر مدظلہ مجاہد انسان ہیں، بنین و بنات کے کئی ادارے چلارہے ہیں۔ ان اداروں میں جامعہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات ”پاہووال“ میں ظہر کی نماز کے بعد طالبات وخواتین میں اصلاحی بیان ہوا، نیز انہیں قادیانیوں سمیت باطل مذاہب کے عقائدوعزائم سے باخبر کیا گیا۔

رگ ریکا میں مدرسۃ البنات کا افتتاح

پھالیہ کے علاقہ ”رگ ریکا“ میں احباب نے بنات کا مدرسہ قائم کیا ان کی خواہش یہ تھی کہ مجلس کے کوئی ساتھی اس کا افتتاح کردیں تو مولانا محمد قاسم سیوطی نے انہیں ۱۷ر ستمبر کا وقت دے دیا۔ چنانچہ ۱۷ر ستمبر بعد نماز عشاء ”رگ ریکا“ کی جامع مسجد میں افتتاحی جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں تلاوت ونعت کے بعد دینہ جہلم کا نوجوان صاحب طرز خطیب مولانا زین العابدین، مولانا محمد قاسم سیوطی اور محمد اسماعیل شجاع آبادی کے فضائل قرآن، تحصیل علم کی ضرورت و اہمیت، عقیدۂ ختم نبوت کی فضیلت واہمیت پر خطابات ہوئے، جلسہ سے فراغت کے بعد رات کا قیام پنجن کسانہ میں گلشن اختر کے مدرسہ میں ہوا۔ ۱۸ر ستمبر ۱۱ بجے پنجاب کامرس کالج کھاریاں کے اساتذہ وطلبا سے خطاب ہوا۔ ظہر کی نماز گجرات مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کی مسجد میں ادا کرکے ملتان کے لئے روانگی ہوئی۔

شاہ پور صدر میں ختم نبوت کانفرنس

۱۶ر ستمبر بعد نماز عشاء مدنی مسجد شاہ پور صدر ضلع سرگودھا میں ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی، جس کی صدارت پروفیسر ثناء اللہ نے کی۔ کانفرنس سے جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کے مہتمم اور معروف عالم دین مولانا مفتی سیّد عبدالقدوس ترمذی مدظلہ عالمی مجلس تحفظ

قادیانیت نوازی نے مسلم لیگی حکومت کی حیثیت کو ہی مشکوک بنادیا ہے: علماء کرام

گوجرانوالہ....عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے وزیر قانون پنجاب رانا ثناء اللہ کی وضاحت کو مسترد کردیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اس بیان کے بعد حکومتی منصب کے اہل نہیں رہے وہ فوری طور پر مستعفی ہوں۔ جب وزیر ہی آئین وقانون کی دھجیاں بکھیر دیں تو معاشرتی ابتری انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ نااہل لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جائیں تو ملکی سلامتی پر بھی سوالیہ نشان آجاتا ہے۔ قادیانی کی غیر آئینی اور غیر اخلاقی حرکتوں کا دفاع کرنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ قادیانی آئین وقانون اور ریاست کی رٹ کو چیلنج کررہے ہیں مگر وزراء ان کے خلاف کاروائی کرنے کی بجائے ان کے دفاع میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ قادیانیت نوازی نے مسلم لیگی حکومت کی حیثیت کو ہی مشکوک بنادیا ہے۔ پاکستان کے غیور عوام اور بیدار مغز صاحب ایمان قیادت کا بروقت ردعمل اس بات کا غماز ہے کہ عقیدہ ختم نبوت پر کوئی سمجھوتہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس حساس مسئلہ کو سیاست کی بھینٹ چڑھانے کی بجائے حکمران طبقہ ہوش کے ناخن لے۔ جمعیت علماء اسلام سمیت دیگر حکومتی اتحادی حکومت کی بدترین قادیانیت نوازی پر علیحدگی کا اعلان کریں۔ ان خیالات کا اظہار عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ مولانا محمد عارف شامی، خطیب مرکزی ختم نبوت مولانا عمر حیات، ضلعی ناظم تبلیغ مولانا عبدالغفور آرائیں، ضلعی امیر مولانا محمد اشرف مجددی، ممتاز خطیب مولانا عطاء الرحمٰن جالندھری، امیر شہر مولانا ہدایت اللہ جالندھری، ضلعی نائب امیر مولانا مفتی غلام نبی اور مجلس علماء دیوبند کے سربراہ مولانا محمد ندیم شاہ نے پتنگ پور، علی پور چٹھہ، جامع مسجد نقشبندیہ دیوبندیہ گرجاکھ، جامع عثمانیہ پونڈانوالہ چوک، جامع مسجد تقویٰ پیپلز کالونی، جامع مسجد باغ والی شاہین آباد، جامع مسجد صدیقی رسولپورہ اور جامع مسجد ختم نبوت ہاشمی کالونی میں احتجاجی اجتماعات اور کانفرنسوں سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ مسلسل حکومتی عمائدین کی طرف سے قادیانیوں کی حمایت ناقابل قبول ہے۔ مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے رسول پاک کی ناراضی کو دعوت دینا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ کیپٹن ریٹائرڈ محمد صفدر کا قومی اسمبلی میں خطاب قوم کی آواز ہے اور شیخ محمد رشید کی طرف سے ختم نبوت کے حلف نامہ کے نکالنے کی نشاندہی قابل ستائش ہے۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی جہاد کے منکر ہیں اور مرزا قادیانی نے جہاد کی منسوخی کا فتویٰ دیا ہے بلکہ جہاد کو حرام قرار دیا ہے، اس لئے پاک فوج میں قادیانیوں کی شمولیت کا کوئی جواز نہیں۔ قادیانی ملک وملت کے غدار اور اکھنڈ بھارت کے حامی ہیں ان سے خیر کی توقع رکھنا حماقت ہے۔

ختم نبوت سرگودھا کے امیر مولانا نور محمد ہزاروی، مبلغ مولانا امجد علی، مرکزی مبلغ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی سمیت کئی ایک علماء کرام نے خطاب کیا۔ جبکہ ملک کے مایہ ناز ثناخواں جناب طاہر بلال چشتی جھنگ نے نعتیہ کلام سے لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔ آخری خطاب مولانا شجاع آبادی کا ہوا، انہوں نے تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء اور اس کے نتیجہ میں ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کے تاریخ ساز فیصلہ پر روشنی ڈالی۔

جھاوریاں قدیم جماعتی مرکز

رات کا آرام و قیام جامع مسجد قاضیاں جھاوریاں میں رہا، جھاوریاں میں قاضی خاندان تقریباً پانچ سو سال سے دینی خدمات سرانجام دیتا چلا آرہا ہے۔ قریبی دور میں مولانا قاضی عبدالقادرؒ جو مرشد الاحرار حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ کے شاگرد رشید اور جامعہ امینیہ دہلی کے فاضل تھے۔ آپ رائے ونڈ کے منتظمین میں سے تھے اور دعوت و تبلیغ کے ساتھ بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے زمانہ سے وابستہ چلے آرہے تھے۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے فرمایا کہ قاضی عبدالقادرؒ کے حالات زندگی پر ضخیم کتاب لکھی جاسکتی تھی، لیکن حضرت قاضی صاحبؒ کے ڈر کی وجہ سے نہیں لکھی۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۶/اپریل ۱۹۸۶ء کو رائے ونڈ میں وفات پائی۔ پہلا جنازہ رائے ونڈ میں ہوا، جبکہ دوسرا جنازہ جھاوریاں میں اور تدفین جھاوریاں میں عمل میں لائی گئی۔ جھاوریاں میں آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ فیصل آباد والوں نے پڑھائی۔ اللہ پاک ان کی حسنات کو قبول فرمائیں اور سیئات کو مبدل بحسنات فرمائیں۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

مولانا قاضی عبدالقادرؒ سے چھوٹے مولانا قاضی عبدالمالکؒ تھے۔ آپ نے علوم اسلامیہ کی تکمیل حضرت رائے پوریؒ کے استاذ محترم مولانا محمد رفیقؒ سے جھاوریاں میں کی۔ آپ قیام پاکستان سے ۱۹۸۶ء تک بڑے بھائی کے معاون خطیب رہے۔ ۱۹۸۶ء کے بعد جامع مسجد قاضیاں جھاوریاں کے مستقل خطیب قرار پائے۔ بڑے جلالی طبیعت کے بزرگ تھے۔ آپ کی زندگی میں راقم کو کئی مرتبہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، آپ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی شوریٰ کے ممبر رہے۔ حضرت امیر شریعتؒ کے دور سے مجلس سے وابستہ چلے آرہے تھے۔ سیاسی طور پر جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے۔ شہر کی مرکزی عیدگاہ تین ایکڑ پر مشتمل ہے، اس کی خطابت ہمیشہ قاضی خاندان کے پاس رہی ہے۔ قاضی عبدالمالکؒ جب تک زندہ رہے۔ خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اب آپ کے فرزند ارجمند مولانا قاضی عبدالرزاق خطیب و امام ہیں۔ قاضی خاندان نے کبھی بھی مسجد و مدرسہ سے تنخواہ نہیں لی، ہمیشہ فی سبیل اللہ کام کیا، متبادل کوئی نہ کوئی روزگار کی شکل رہی، موجودہ قاضی بھی مسجد سے تنخواہ نہیں لیتے۔

ایک عرصہ تک مرکزی عیدگاہ میں ۹، ۱۰/محرم الحرام کو جلسہ شہادت ہوتا رہا ہے پھر مرکزی جامع مسجد میں منتقل ہوگیا، مرکزی جامع مسجد کے خطیب مولانا مولا بخش تھے، ان کے بعد مفتی عبدالرحمن رہے، اب مولانا مطیع الرحمن مرکزی مسجد کے خطیب ہیں اور جلسہ شہادت منعقد کراتے ہیں تاکہ عوام اہلسنت دیگر مجالس میں اپنا ایمان ضائع نہ کریں۔ مولانا قاضی عبدالمالکؒ ۱۵/مارچ ۱۹۹۹ء کو راہی ملک عدم ہوئے اللہ پاک آپ کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ فرمائیں۔

☆☆..........☆☆

خواجہ عطاء الرحمن کا سانحہ ارتحال

شجاع آباد کے خواجگان میں خواجہ عطاء الرحمن معروف نام ہے، پینٹ (عمارتی رنگ) اور ہارڈ ویئر کا کاروبار کرتے تھے۔ شجاع آباد کے معروف دینی ادارہ جامعہ فاروقیہ والی گلی کے سامنے دکان تھی، کچھ عرصہ پہلے فالج کا اٹیک ہوا، کمزوری کے باوجود وہیل چیئر پر مسجد میں باجماعت نماز کی کوشش کرتے۔ ۲۲/ستمبر کو گرمی کا احساس ہوا گھر والوں سے کہا کہ میرا کرتا اتار دو، گرمی محسوس ہو رہی ہے، وہ گرمی درحقیقت دل کا دورہ تھا جو جان لیوا ثابت ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے چند منٹوں میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف خواجگان میں صحیح العقیدہ انسان تھے۔ مماتیت اور یزیدیت کے جراثیم سے محفوظ تھے اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔

ان کی نماز جنازہ وفاق المدارس جنوبی پنجاب کے مسئول مولانا زبیر احمد صدیقی کی امامت میں ادا کی گئی جس میں سینکڑوں سے متجاوز مسلمانوں نے شرکت کی اور انہیں شجاع آباد کے معروف قبرستان میں ہمارے خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا قاضی عبداللطیف اخترؒ اور دیگر علماء کرام و مشائخ عظام مدفون ہیں، سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ پاک انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ آمین۔

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام

(۲)

حافظ عبیداللہ

انبیاء کا اجماع: عیسیٰ بن مریم نے ہی دجال کو قتل کرنا ہے

مسند احمدؒ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک طویل حدیث شریف موجود ہے، جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

”حدثنا هُشَيمٌ أنا العوّام عن جَبلة بن سُحيم عن مُؤثِر بن عَفازة عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لقيتُ ليلة أسري بي ابراهيم موسىٰ وعيسىٰ، قال: فتذاكروا أمر الساعة، فَرَدُّوا أمرهم الى ابراهيم، فقال: لا علم لي بها، فَرَدُّوا الأمر الى موسىٰ، فقال: لا علم لي بها، فَرَدُّوا الأمر الى عيسىٰ فقال: أمّا وجبتُها فلا يعلمها أحد الا الله، ذلك وفيما عهد الي ربي عزوجل أن الدجّال خارج، قال: ومعي قضيبان، فاذا رآني يذوب كما يذوب الرصاص، قال: فيهلكه الله، حتى أن الحجر والشجر يقول: يا مسلم، ان تحتي كافراً، فتعال فاقتله...... الخ“

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہوئی، تو قیامت کا ذکر چل نکلا (یعنی یہ گفتگو چل نکلی کہ قیامت کب آئے گی) پہلے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں، حضرت موسیٰؑ نے بھی لاعلمی کا اظہار فرمایا، حضرت عیسیٰؑ کی طرف بات آئی تو آپ نے فرمایا: اس کا ٹھیک وقت تو صرف اللہ کو معلوم ہے، البتہ میرے ساتھ میرے رب کا ایک عہد ہے کہ قیامت سے پہلے دجال نکلے گا، اس وقت میرے پاس دو چھڑیاں یا دو تیز تلواریں ہوں گی (قضیب کا معنی چھڑی بھی ہوتا ہے اور کاٹنے والی تلوار بھی) پس جب (دجال) مجھے دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جیسے سیسہ پگھل جاتا ہے (یعنی میں اسے قتل کردوں گا) پس اللہ اسے ہلاک کردے گا، یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی پکاریں گے کہ اے مسلمان! میرے نیچے کافر ہے آؤ اسے قتل کردو...... الی آخر الحدیث۔“ (مسند احمد، حدیث نمبر 3556، جلد6، صفحہ19 طبع مؤسسۃ الرسالۃ)

نیز یہی روایت مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی ہے وہاں الفاظ ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ: فأهبط فاقتله میں اتروں گا اور دجال کو قتل کردوں گا (مستدرک حاکم، حدیث نمبر 3448، جلد 2، صفحہ 416 اور حدیث نمبر 8502، جلد 4، صفحہ 534 طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت، امام ذہبیؒ نے تلخیص المستدرک میں ان دونوں روایات کو صحیح فرمایا ہے، نیز حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد13 صفحہ 89 پر یہ روایت ذکر کی ہے)۔

محترم قارئین! اس حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ بیان ہوگیا کہ دجال کو قتل کرنے کے لئے انہی عیسیٰؑ نے نازل ہونا ہے جن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب معراج میں ملاقات ہوئی، اس گفتگو میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے لیکن کسی نے بھی حضرت عیسیٰؑ کی اس بات کی تردید نہیں فرمائی، اس محفل میں چار انبیاء کرام کے موجود ہونے کا ذکر ہے لیکن صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ میں ایک اور حدیث شریف موجود ہے جس میں یہ بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی قوم یا اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3057، صحیح مسلم، حدیث نمبر 169، مستدرک حاکم، حدیث نمبر 8620 وغیرہ)، گویا جس طرح قیامت کا آنا تمام انبیاء کا متفقہ عقیدہ ہے، اسی طرح دجال کا نکلنا بھی تمام انبیاء کا اجماعی عقیدہ ہے، اور یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ دجال کا قتل انہی عیسیٰؑ کے ہاتھ سے ہوگا جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی، اس طرح تمام انبیاء قیامت سے پہلے انہی عیسیٰؑ کے نازل ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔

مرزائی پاکٹ بک کے مصنف کی اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی ناکام کوشش:

مرزائی پاکٹ بک کے مصنف ملک عبدالرحمن

خادم گجراتی نے اس روایت پر بھی ''نا قابل اعتبار'' کا فتویٰ لگا کر اس سے گلوخلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اپنے مشہور زمانہ دجل وفریب کا مظاہرہ یہاں بھی کیا ہے جو یہ ہے کہ کسی ثقہ راوی کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کی توثیق نقل نہ کرنا اور مبہم قسم کے الفاظ نقل کر کے راوی کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کرنا، چنانچہ لکھتا ہے:

''یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے، حدیث نبوی نہیں۔'' (مرزائی پاکٹ بک، صفحہ 234)

ہم نے مسند احمد کے حوالہ سے جو حدیث شریف پوری سند کے ساتھ ذکر کی ہے وہ مرفوع متصل ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نقل فرمائی ہے، لہٰذا مرزائی پاکٹ بک کے مصنف کی یہ بات غلط ثابت ہوگئی۔ بلکہ پاکٹ بک میں اسی جگہ چار سطریں اوپر وہ خود لکھ چکا ہے کہ ''مسند احمد میں مرفوعاً مروی ہے''، ہاں سنن ابن ماجہ میں یہ روایت ''موقوفاً'' روایت کی گئی ہے لیکن ہم نے اسے پیش ہی نہیں کیا۔

اس کے بعد اس نے دو راویوں ''محمد بن بشار'' اور ''یزید بن ہارون'' کے بارے میں چند الفاظ نقل کر کے انہیں ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ ہماری پیش کردہ مسند احمد کی روایت میں یہ دونوں راوی موجود ہی نہیں، شاید پاکٹ بک کے مصنف کا اشارہ سنن ابن ماجہ کی روایت کی طرف ہے جس میں مسند احمد کی سند میں موجود راویوں کے علاوہ ''محمد بن بشار'' اور ''یزید بن ہارون'' بھی ہیں، پاکٹ بک کے مصنف کا باقی راویوں کو چھوڑ کر صرف ان دو پر جرح کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ ان کے علاوہ باقی راوی اس کے نزدیک بھی بلاشک ثقہ اور قابل قبول ہیں، یعنی بالفاظ دیگر مسند احمد کی روایت کے راویوں پر اسے کوئی اعتراض نہیں ملا، ہم نے سنن ابن ماجہ کی روایت پیش ہی نہیں کی لہٰذا ان دونوں راویوں پر جرح کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں، لیکن ہم یہ بتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ''محمد بن بشار'' اور ''یزید بن ہارون'' بھی ثقہ، معتبر اور صحیحین کے راوی ہیں، محمد بن بشار سے امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں 150 سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں، اور امام مسلمؒ نے بھی 80 سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں، اسی طرح ''یزید بن ہارون'' کے واسطے سے امام بخاریؒ نے 20 کے قریب روایات اور امام مسلم نے 50 سے زیادہ روایات لی ہیں، علماء اصول حدیث کے نزدیک کسی راوی کا صحیح بخاری و مسلم کا راوی ہونا اس کے ثقہ اور معتبر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، نیز مستدرک حاکم کی روایت میں بھی ''یزید بن ہارون'' موجود ہیں لیکن امام ذہبیؒ نے اس کے باوجود اس روایت کو ''صحیح'' لکھا ہے، خود مرزا قادیانی نے قرآن کریم کے بعد اول درجہ پر صحیح بخاری کو قبول کیا ہے اور دوسرے درجہ پر صحیح مسلم کو اس شرط پر قبول کیا ہے کہ اس کی حدیث قرآن کریم اور صحیح بخاری کے خلاف نہ ہو، اور ان دونوں کے علاوہ باقی کتب حدیث کو صرف اس شرط پر قبول کیا ہے کہ ان کی احادیث قرآن کریم اور صحیح بخاری ومسلم کے خلاف نہ ہوں۔

(دیکھیں: آریہ دھرم، رخ 10، صفحات 86،87)

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ''مسند احمد'' کے حوالے سے جو روایت پیش کی ہے اس کی سند کے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تک تمام راویوں کا مختصر تعارف بھی پیش کر دیں اور ہم منتظر ہیں کہ اگر کوئی مرزائی مربی اصول حدیث کی رو سے اس روایت کو ضعیف یا بقول مرزائی پاکٹ بک ''چار کونسل والی ناقابل اعتبار روایت'' ثابت کر سکتا ہے تو سامنے آئے۔

پہلا راوی: ھشیم بن بشیر ابن القاسم بن دينار السلمي الواسطي أبو معاوية:

امام مالکؒ نے فرمایا: عراق میں اس واسطی (یعنی ہشیم) سے زیادہ اچھی حدیث والا کوئی نہیں۔

حماد بن زید نے فرمایا: میں نے محدثین میں ہشیم سے زیادہ شریف النفس نہیں دیکھا۔

اسحاق زیادی فرماتے ہیں کہ: میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ: ہشیم سے (حدیثیں) سُنا کرو، وہ بہت اچھا آدمی ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ: ہشیم حدیث یاد کرنے میں سفیان ثوری سے بڑھ کر تھے۔

یحییٰ بن معین اور ابن مہدی نے فرمایا: ہشیم تو قلعہ میں بند ہیں (یعنی محفوظ ہیں)، وہ سفیان اور شعبہ سے زیادہ پکے ہیں۔

ابن مبارک نے فرمایا: ہشیم کے حافظہ پر زمانہ کا کوئی اثر نہیں ہوا (یعنی آخری عمر تک ان کا حافظہ وہی رہا)۔

ابن عمار نے کہا: جب ہشیم اور ابی عوانہ کی روایت میں اختلاف ہو جائے تو بات ہشیم کی معتبر ہوگی کیونکہ اس میں غلطی کا احتمال نہیں۔

عجلی نے فرمایا: ہشیم واسطی ثقہ ہیں لیکن وہ بھی تدلیس کرتے تھے (یعنی روایت بیان کرتے ہوئے ''عن'' کے ساتھ بیان کرتے تھے)۔

امام ابو حاتم رازی نے فرمایا: ہشیم ثقہ ہیں اور ابو عوانہ سے بڑے حافظہ والے ہیں۔

ابن سعد نے فرمایا: ہشیم ثقہ ہیں، بہت زیادہ حدیث والے ہیں، ہاں وہ تدلیس کرتے ہیں، پس جس حدیث میں وہ صراحت کر دیں کہ یہ میں نے فلاں سے سُنی ہے یا فلاں نے مجھے خبر دی ہے تو وہ حدیث بلاشبہ حجت ہوگی۔ (جاری ہے)

ایک عظیم علمی، ادبی، سوانحی اور تاریخی شاہکار دستاویز

چمنستانِ ختمِ نبوتؐ کے گلہائے رنگارنگ

ایسے ۹۴۴ نفوسِ قدسیہ کا تذکرہ وسوانح، حالات وحکایات
جنہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے لئے خدمات سرانجام دیں۔

ترتیب
شاہینِ ختمِ نبوت
مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

تین جلدوں کا مکمل سیٹ
قیمت صرف 500 روپے

عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت
حضوری باغ روڈ، ملتان پاکستان 061-4783486